BUDE-141

مرزا غالب کا خصوصی مطالعہ
Special Study of Mirza Ghalib

اسکول آف ہیومینیٹیز
اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی، نئی دہلی

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

है और भी दुनिया में सुख़नवर बहुत अच्छे
कहते हैं कि 'ग़ालिब' का है अंदाज़-ए-बयाँ और

Block 1, 2, 3

بلاک 1،2،3

BUDE-141

مرزا غالب کا خصوصی مطالعہ

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومینیٹیز

بلاک 1
غالب کے سوانحی کوائف 7

بلاک 2
غالب کی خصوصیات 61

بلاک 3
متن کا مطالعہ 109

EXPERT COMMITTEE

Professor Satyakam
Director, School of Humanities
IGNOU, New Delhi.

Professor Mohd. Shahid Husain
603/7, Shahjahanabad Apartments
Plot No. 1, Sector -11, Dwarka, New Delhi

Professor Mohd. Saghir Beg Afraheim
Gul-e-Afraheim, Street No.4A, Near Sunny
P.C.O, Bypass Road, Dhorrah, Aligarh, U.P.

Professor Wahajuddin Alvi
Department of Urdu, Jamia Millia Islamia
New Delhi.

Professor Shabnam Hameed
Department of Urdu, University of Allahabad,
Prayagraj, U.P.

Professor Diwan Hannan Khan
DEL, NCERT
New Delhi.

COURSE COORDINATOR

Professor Malati Mathur, Director, School of Humanities, IGNOU, New Delhi

Dr. Qudsia Nasir Consultant Urdu, School of Humanities, IGNOU, New Delhi.

Editor: Prof. Mohd. Shahid Husain, 603/7, Plot No.1, Sector-11, Dwarka, New Delhi

COURSE PREPARATION

Dr. Alauddin Khan, Rajendra College, Chapra-841301, Bihar	Unit 1
Dr. Md. Sanaullah, Shri Radha Krishan Goenka College, Sitamarhi, Bihar	Unit 2
Dr. Shafiuzzama Khan, JNU, New Delhi	Unit 3
Prof. Saleem Mohiuddin, Shri Shivaji College, Parbhani, Maharashtra	Unit 4
Dr. Mohd. Danish Ghani, Shivaji Nagar, Ratnagiri, Maharashtra	Unit 5
Dr. Qudsia Nasir, SOH, IGNOU, New Delhi	Unit 6
Dr. Shakeel Ahmad Khan, Lahwar, Darbhanga, Bihar	Unit 7
Dr. Ghazanfar Iqbal, Hagarga Cross, Ring Road, Gulbarga, Karnataka	Unit 8
Dr. Umar Raza, Aligarh Muslim University, Aligarh, U.P.	Unit 9
Dr. Abdul Hafiz, IGNOU, New Delhi	Unit 10
Dr. Liaqat Ali, University of Jammu, Jammu-180006	Unit 11
Dr. Darakhshan Zarrin, Kolkata, West Bengal	Unit 12

PRODUCTION

Mr. Tilak Raj
Assistant Registrar (Pub.)
MPDD, IGNOU, New Delhi

Mrs. Sumathy Nair
Section Officer (Pub)
MPDD, IGNOU, New Delhi

August, 2021

© Indira Gandhi National Open University, 2021

ISBN:

All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the copyright holder.

Further information on the Indira Gandhi National Open University courses may be obtained from the University's office at Maidan Garhi, New Delhi-110068 or the official website of IGNOU at www.ignou.ac.in

Printed and published on behalf of the Indira Gandhi National Open University by Registrar, MPDD, Maidan Garhi, New Delhi

CRC Prepared by Tessa Media & Computers, C-206, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, N.D.-25

Printed at: Amety Offset Printers, Sahibabad

کورس کا تعارف

فاصلاتی نظامِ تعلیم کے طالب علموں کے لیے کورس تیار کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ اسے پڑھتے وقت طلبہ کو یہ احساس ہو کہ وہ کلاس روم میں موجود ہے۔ اسی لیے ہر اکائی کے اغراض و مقاصد بتائے گئے ہیں تا کہ مطالعہ کرتے وقت انہیں اس کا اندازہ ہو سکے کہ اس کا مقصد کیا ہے۔ اس کے بعد طلبہ کو پورے سبق کا مطالعہ کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے میں معاون ایک مختصر اور مربوط تعارف پیش کیا گیا ہے۔ سلیس اور آسان زبان میں لکھی گئی اکائی کے اصل مواد کو پڑھ لینے کے بعد 'آپ نے کیا سیکھا' کے تحت کچھ نمایاں اور خاص نکات کی نشاندہی کی گئی ہے تا کہ طلبہ کو پوری اکائی اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔ اس کے بعد 'اپنا امتحان خود لیجیے' کے تحت کچھ مختصر سوالات قائم کیے گئے ہیں تا کہ طلبہ نے جو بھی مطالعہ کیا ہے اسے کتنا سمجھا اور کس قدر ذہن نشین کیا، اس کا اندازہ لگایا جا سکے۔ طلبہ کے ذہن میں آنے والے جوابات کی تصدیق کے لیے سوالوں کے جوابات بھی دیے گئے ہیں تا کہ ان سے مماثل آئندہ طویل سوالوں کے پر اعتماد جواب دینے میں انہیں آسانی ہو۔ طلبہ کی آسانی کے لیے ہر اکائی میں مشکل الفاظ کے معنی دیے گئے ہیں۔ تمام اکائیوں کے آخر میں معاون کتابوں کی فہرست مع ضروری حوالوں کے دینے کا مقصد طلباء کی تشنگی کی آبیاری ہے تا کہ وہ ان سے رجوع کر کے اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر سکیں۔

اس کورس کا نام **'مرزا غالب کا خصوصی مطالعہ'** ہے۔ اس کورس کا مقصد طلبہ کو غالب کی زندگی، ان کے عہد اور ان کے فن کے متعلق معلومات فراہم کرانا ہے تا کہ وہ غالب کے فنِ شاعری کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے متعلق پوری جانکاری حاصل کر سکیں۔

اس کورس کا مطالعہ کرنے والے ایسے طلبہ بھی ہوں گے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ وہ بچپن سے اسے بولتے، سنتے اور پڑھتے آئے ہوں گے۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جن کی مادری زبان اردو نہیں ہے لیکن اردو کو دوسری زبان کے طور پر پڑھا اور اپنایا ہے۔ اس کورس کو تیار کرتے ہوئے ان سبھی کا خیال رکھا گیا ہے۔ **3 بلاک اور 12 اکائیوں** پر مشتمل اس کورس کا مقصد یہ ہے طلبہ کو غالب کی زندگی، ان کے عہد اور ان کے فن کے متعلق معلومات فراہم کرانا تا کہ وہ غالب کے فنِ شاعری کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے متعلق پوری جانکاری حاصل کر سکیں۔

یہ کورس **6 Credits** کا ہے اس کے لیے آپ کو **180 گھنٹوں** کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

ہم نے اس کورس کو **3** بلاک میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا بلاک **'غالب کے سوانحی کوائف'** ہے۔ اس کا تعلق مرزا غالب کے سوانحی کوائف اور فن سے ہے جس میں کل 4 اکائیاں ہیں۔

اکائی 1: 'انیسویں صدی کا ادبی، تہذیبی اور معاشرتی ماحول' میں مرزا غالب کے عہد کے سماجی محرکات کا ذکر ہے۔

اکائی2: 'غالب کی سوانح اور شخصیت' میں مرزا غالب کی زندگی کے مختلف دور اور ان کی شخصیت کے تمام پہلو کی تفصیل ہے۔

اکائی3: 'غالب کے معاصرین' ہے۔اس اکائی میں غالب کے ساتھی ادیبوں اور شعراء کا ذکر ہے۔

اکائی4: 'غالب کا شعری اسلوب' ہے۔اس اکائی میں غالب کے شعری اسلوب کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

دوسرا بلاک **'غالب کی خصوصیات'** ہے۔اس بلاک میں کل **4** اکائیاں ہیں۔

اکائی5: 'غالب کی غزل گوئی'۔اس اکائی میں مرزا غالب کی غزل گوئی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اکائی6: 'غالب کی منتخب غزلوں کی تشریحات'۔اس اکائی میں مرزا غالب کی منتخب غزلوں کی تشریحات پیش کی گئی ہیں۔

اکائی7: ''غالب کی منتخب غزلوں کی تشریحات'۔اس اکائی میں بھی مرزا غالب کی منتخب غزلوں کی تشریحات پیش کی گئی ہیں۔

اکائی8: 'غالب کی قصیدہ گوئی'۔اس اکائی میں مرزا غالب کے فنِ قصیدہ گوئی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تیسرا بلاک **'متن کا مطالعہ'** ہے۔اس میں کل **4** اکائیاں ہیں۔

اکائی9: 'قصیدہ: دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں' کے منتخبہ متن کی تدریس۔اس اکائی میں مرزا غالب کے تحریر کردہ قصیدے کی تشریح وتدریس ہے۔

اکائی10: 'خطوطِ غالب کی خصوصیات'۔اس اکائی میں خطوطِ غالب کے حوالے سے مرزا غالب کے اندازِ تحریر اور فن کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

اکائی11: 'خطوطِ غالب' متن کی تدریس۔اس اکائی میں مرزا غالب کے خطوط کی تشریح وتدریس کی گئی ہے۔

اکائی12: 'غالب کی انفرادیت'۔اس اکائی میں مرزا غالب کی شخصیت اور ان کی شاعری کی انفرادیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

BUDE-141

مرزا غالب کا خصوصی مطالعہ

اندرا گاندھی نیشنل اوپن یونیورسٹی
اسکول آف ہیومینیٹیز

بلاک
1

غالب کے سوانحی کوائف

بلاک 1 کا تعارف

اکائی 1
انیسویں صدی کا ادبی، تہذیبی اور معاشرتی ماحول 7

اکائی 2
غالب کی سوانح اور شخصیت 19

اکائی 3
غالب کے معاصرین 35

اکائی 4
غالب کا شعری اسلوب 47

بلاک 1 تعارف

پہلا بلاک **'غالب کے سوانحی کوائف'** ہے۔اس کا تعلق مرزا غالب کے سوانحی کوائف اور فن سے ہے جس میں کل 4 اکائیاں ہیں۔

اکائی1: 'انیسویں صدی کا ادبی، تہذیبی اور معاشرتی ماحول' میں مرزا غالب کے عہد کے سماجی محرکات کا ذکر ہے۔

اکائی2: 'غالب کی سوانح اور شخصیت' میں مرزا غالب کی زندگی کے مختلف دور اور ان کی شخصیت کے تمام پہلو کی تفصیل ہے۔

اکائی3: 'غالب کے معاصرین' ہے۔اس اکائی میں غالب کے ساتھی ادیبوں اور شعراء کا ذکر ہے۔

اکائی4: 'غالب کا شعری اسلوب' ہے۔اس اکائی میں غالب کے شعری اسلوب کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

اکائی 1 انیسویں صدی کا ادبی، تہذیبی اور معاشرتی ماحول

ساخت

1.1 اغراض ومقاصد

1.2 تمہید

1.3 انیسویں صدی کا ادبی منظر نامہ

1.4 انیسویں صدی کا تہذیبی ومعاشرتی ماحول

1.5 آپ نے کیا سیکھا

1.6 اپنا امتحان خود لیجیے

1.7 سوالات کے جوابات

1.8 فرہنگ

1.9 کتب برائے مطالعہ

1.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ کو سمجھانے کی کوشش کی جائے گی کہ

- انیسویں صدی کا ادبی منظر نامہ کیا تھا
- انیسویں صدی کا تہذیبی ومعاشرتی ماحول کیسا تھا
- انیسویں صدی کی اردو ادب میں کتنی اہمیت ہے

1.2 تمہید

ہندستانی تہذیب کا نمایاں پہلو اردو زبان اور شعر وشاعری بنیادی طور پر ہم آہنگ ہے۔ اردو کا ادبی شہ پارہ اپنی ابتدا سے لے کر آج تک معاشرے کا آئینہ دار رہا ہے۔ امیر خسرو، قلی قطب شاہ، ولی، میر، نظیر اور دیگر ادبا وشعرا کا کلام بہترین تہذیبی سرمایے کا حامل ہے، یہی حالت نثری فن پاروں کی ہے۔ ہندستان کی مشترکہ تہذیب کی عکاسی اردو ادب میں عمدہ ملتی ہے۔ 19 ویں صدی کو ادبی، تہذیبی اور معاشرتی اعتبار سے بے حد اہمیت حاصل ہے۔ یہ صدی ادبی عروج، تہذیبی ومعاشرتی تبدیلیوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انیسویں صدی کے طلوع کے ساتھ مغلیہ سلطنت کا آفتاب غروب ہونے لگا۔ ستمبر 1803 میں لارڈ لیک نے دہلی کو فتح کیا۔ اس کے بعد شاہ عالم ثانی بادشاہ کا انگریزوں نے وظیفہ مقرر کر کے اختیارات محدود کر دیے۔ انگریزوں کا فتح حاصل کرنا اور برسوں پرانی سلطنت کا زوال کو پہنچنا، اس بات کی علامت تھا کہ ہندستان میں تبدیلی کا آنا ناگزیر ہو گیا ہے۔ انگریزوں کی آمد نے زندگی کے تمام شعبے کو متاثر کیا۔ ہندستانی تہذیب ومعاشرت کے ساتھ یہاں کا ادب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

1.3 انیسویں صدی کا ادبی منظر نامہ

انیسویں صدی اردو ادب کے اعتبار سے عہدِ زریں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس صدی کے شروع میں ہی اردو ادب نے شمالی ہند میں اعتبار حاصل کر لیا تھا۔ اگر چہ اس سے قبل شمالی ہند اردو کے مزاج سے بے خبر نہیں تھا لیکن اردو کی مختلف النوع اصناف کا رنگ اور جادو اسی عہد میں سر چڑھ کر بولنے لگا۔ میر تقی میر (1723-1810) اور خواجہ میر درد (1720-1785) اپنے افکار وخیالات کو شعری پیکر عطا کر کے اردو شاعری کو اس معیار و مرتبہ تک پہنچا چکے تھے کہ مرزا غالب جو اپنے عہد کے عظیم شعرا میں سرفہرست نظر آتے ہیں، کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

ریختہ کے تمھیں استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

یہی نہیں میر کی عظمت کا اعتراف غالب کے معاصرین مصحفی، ذوق، ناسخ نے بھی کیا ہے۔ میر کا بیشتر کلام معنی آفرینی اور کیفیت کا ایک دلکش گلدستہ ہے۔ مزید یہ کہ اپنے تجربات ومشاہدات کو کلام میں اس طرح پیش کیا کہ آپ بیتی کو جگ بیتی بنا دیا۔

میر تقی میر سے قبل کلام ولی کے شمالی ہند آمد کے بعد ایہام گوئی نے خوب زور پکڑا۔ نتیجتاً آبرو، یقین اور شاکر ناجی وغیرہ نے ایہام گوئی میں خوب کمال دکھایا۔ ان کی شاعری میں کھنک اور جی داری تو تھی مگر درد، سوز وساز سے خالی۔ الفاظ کے الٹ پھیر، رعایت لفظی اور تراکیب کے استعمال نے شاعری میں طرح دار، بانکوں کے طرز کی بنیاد تو ضرور ڈالی مگر گہرائی اور گیرائی نہیں تھی۔

انیسویں صدی کا ادب جن نئے تصورات سے دوچار ہوا ان میں عشق اور موت کے تصورات کو اختصاص حاصل ہے۔ یہ وہ تصورات ہیں جنھیں انیسویں صدی میں نئی جہات اور گہرائی ملی۔ ہندستان میں عشق پر اس وقت زور دیا جا رہا تھا جب مغرب نشاۃ ثانیہ، انقلاب فرانس اور صنعتی انقلاب کے دور سے گزر کر عقل وخرد اور سائنسی مزاج سے روشن ہو رہا تھا۔

اس صدی میں دلی کو ادب کے اعتبار سے مرکزیت حاصل رہی ہے۔ اگر چہ یہ شہر بار بار لوٹا گیا۔ یہاں کے مکیں اور شعرا کو معاشی دقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ بہت سے شعرا ہجرت کر کے اودھ، رام پور، عظیم آباد اور کلکتہ چلے گئے لیکن بہت سے شعرا وادبا ان حالات میں بھی دلی میں جمے رہے۔ خوفناک اور ہولناک طوفان کے بعد یہاں بھی شاعری کے نئے سوتے پھوٹنے لگے اور عظیم تہذیبی اور شاعرانہ عہد کا آغاز ہوا۔ مغلیہ سلطنت قلعہ معلیٰ تک سمٹ چکی تھی لیکن بہادر شاہ ظفر کے ادبی ذوق اور سرپرستی نے انیسویں صدی کو یادگار بنا دیا۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ اس عہد کو غالب، مومن، ذوق، شیفتہ اور ظفر نے لازوال بنا دیا تو غلط نہ ہوگا۔ ان شعرا نے گرتے ہوئے ایوان کو سنبھالا اور ان

روایات کو مزید طاقت ور اور وسیع کیا جنھیں میر تقی میر، سودا اور خواجہ میر درد نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے مالا مال کیا تھا۔ میر تقی میر اور سودا اپنے کمال فن سے محفل سخن کو گلزار کیے ہوئے تھے کہ انشا، مصحفی، جرأت اور شاہ نصیر ادب کے افق پر پورے آب وتاب کے ساتھ ابھرے اور ادب میں اہمیت اختیار کر لی۔

حقیقت یہ ہے کہ انیسویں صدی کا ادبی منظر نامہ مرزا غالب، مومن خاں مومن، شیخ محمد ابراہیم ذوق اور بہادر شاہ ظفر کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ ان میں مرزا غالب کو اختصاص حاصل ہے۔ گرچہ مومن کی غزل گوئی اور ذوق کے انداز بیان کے شیدائیوں کی کمی نہیں تھی۔ غالب بھی مومن کے کمالِ فن کے معترف تھے، اسی لیے مومن کے ایک شعر کے بدلے اپنا پورا دیوان دینے کو تیار تھے۔ شعر دیکھیے:

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

شیخ محمد ابراہیم ذوق، بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ قصیدہ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ اسی لیے انھیں خاقانیِ ہند کا خطاب ملا۔ دلی کے ادبی ماحول، تہذیب ومعاشرت سے بے حد لگاؤ تھا۔ چنانچہ جب حیدرآباد سے مہاراجہ چندولال شاداں نے انھیں بلایا تو نہیں گئے اور یہ شعر کہا:

گرچہ ہے ملکِ دکن میں ان دنوں قدر سخن
کون جاوے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

ذوقؔ کے معاصرین میں ایک بڑا نام مرزا اسد اللہ خاں غالب کا ہے۔ انیسویں صدی ہی نہیں بلکہ اردو ادب کی تاریخ میں مرزا غالب کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ غالب نے نظم ونثر دونوں میں اپنی الگ شناخت قائم کی اور ایسا انداز قائم کیا جو پیش رو سے مختلف تھا اور معاصرین میں ممتاز:

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

غالب اپنے معاصرین میں کئی اعتبار سے ممتاز ہیں۔ غالب اپنی زندگی میں جن حالات سے دوچار ہوئے اور جس طرح سے دلی کی تباہی کا منظر اور رونما ہونے والی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا، اس نے ان کی تخلیقات کو متاثر کیا۔ بالخصوص دلی سے کلکتے کا سفر کئی اعتبار سے اہم ثابت ہوا۔ دوران سفر لکھنؤ، بنارس اور کلکتے کے شعرا اور مصنفین سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ان مقامات پر قیام کے دوران ادبی جلسوں میں شرکت کی۔ خاص طور سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے بنگال پر تسلط قائم ہونے کے بعد جس نوع کی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں، اس سے تجربہ حاصل کیا۔ غالباً اس وقت کے تمام شعرا میں غالب واحد شاعر تھے جو زندگی کے نئے دھارے سے آشنائی حاصل کی اور اس کا اثر ان کے خیالات

پر بھی پڑا۔ مرزا غالب اور ان کے اطراف کے ماحول کا جائزہ لیتے ہوئے سید احتشام حسین نے جامع نقشہ اس طرح پیش کیا ہے:

> ''مرزا غالب میں کچھ عجیب وغریب خصوصیتیں ایسی جمع ہوگئیں تھیں جو بہت کم ادیبوں میں ملتی ہیں۔ ان کے ذہن کی جودت، بات میں بات پیدا کرنے کی قوت، ان کا علم اور معلومات، ان کی فراخ دلی، خود داری اور انکساری، نئی باتوں کو قبول کر لینے کی صلاحیت، دوستی کا نباہ اور محبوب بن جانے کا ڈھنگ، یہ سب باتیں ایسی تھیں جو ان کو عظیم اور ہر دلعزیز بناتی تھیں۔ بادشاہ سے لے کر ڈاک کے ہرکارے تک سب ان کو بخوبی جانتے تھے۔ ان میں جو کمزوریاں تھیں وہ ان پر پردہ نہیں ڈالتے تھے۔ شراب پیتے تھے، مذہب کے ظاہری اعمال کا مذاق اڑاتے تھے مگر انسانیت کی محبت سے ان کا قلب معمور تھا۔ وہ انسانی زندگی کے نازک جذبوں، ان کے رنج وراحت اور ان کی ضروریات کو سمجھتے تھے اور اپنے کلام میں زندگی کے پیچیدہ مسائل کو ایسے خوبصورت طریقے سے پیش کرتے تھے کہ پڑھنے یا سننے والا اُسے اپنے قلب کی دھڑکنوں میں محسوس کرنے لگتا تھا.....ان میں تنگ نظری نام کو بھی نہ تھی اور وہ کسی ذات یا مذہب کے لوگوں سے تفریق نہیں برتتے تھے۔''

غالب نے نظم ونثر دونوں میں اپنی الگ راہ نکالی۔ اردو میں انھوں نے قصیدے کے علاوہ زیادہ تر غزلیں کہی ہیں۔ عام طور پر اردو میں قصیدے فارسی قصائد کے طرز پر لکھے جاتے تھے اور اس طرز میں تبدیلی نامناسب سمجھی جاتی تھی لیکن مرزا غالب نے اپنے قصیدوں میں نیا رنگ پیدا کیا اور غزلوں میں نئے نئے تجربات کر کے اپنی راہ آپ پیدا کی۔ غالب کے کلام کی خصوصیات میں حقیقت پسندی، طرز ادا کا حسن، تازگی، فلسفیانہ رنگ، جذبات کی عکاسی، احساس وکیفیت اور جدت سبھی اس طرح سے ہم آہنگ ہوگئے کہ دوسرا شاعر ان کے برابر نظر نہیں آتا۔

انیسویں صدی کے شمالی ہند میں ادبی ماحول کا یہ عالم تھا کہ سماج میں ہر طبقے کا فرد شعروشاعری کے ذوق سے بہرہ ور تھا۔ اردو کے تذکروں کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شاہ جہاں آباد کے موچی اور بھنگی تک میں شاعری کا واضح ذوق دیکھنے کو ملتا ہے۔

شعروادب کے اس ذوق کو پروان چڑھانے میں مشاعروں اور شعری نشست نے اہم رول ادا کیا۔ رقص وسرور کی محفلوں میں مغنیہ استاد شعرا کا کلام پیش کر کے دلوں کو گرماتی تھیں۔ شعروسخن کی محفلیں صوفیا کے آستانوں سے لے کر شاہی دربار تک مقبول تھیں۔ اچھا اور معیاری کلام خاص وعام کے زبان زد تھا۔ شعروسخن کے علاوہ اس زمانے میں تفریح وتفنن کے اور بھی ذرائع تھے۔ پتنگ بازی، بٹیر بازی، مرغ بازی، کبوتر بازی اور دیگر ذرائع موجود تھے مگر ان کے مقابلے شعروشاعری، قوالی،

رقص وسرور کا اپنا الگ وقار اور تمدنی وتہذیبی معیار تھا۔ بادشاہ، امراء، رؤسا، نوابین اور جاگیردار شعر و شاعری کی محفلیں آراستہ کرنا باعث افتخار اور ادب نوازی متصور کرتے تھے۔

انیسویں صدی اردو ادب کی کئی اصناف کا آغاز وعروج کی صدی کہی جاسکتی ہے۔ اسی صدی میں شاعری کے ساتھ ساتھ تذکرہ نویسی کی طرف ادبا متوجہ ہوئے۔ زبان وادب کی ترقی، نشوونما کے علاوہ ان کے تحفظ کا احساس بھی زور پکڑنے لگا تھا۔ تذکرہ نگاروں نے شعرا وادبا کے مختصر سوانحی کوائف اور نمونۂ کلام کا انتخاب کرکے تذکروں میں محفوظ کیا۔ میر تقی میر کے 'نکات الشعرا' سے لے کر محمد حسین آزاد کے 'آب حیات' (1880) تک جتنے بھی تذکرے لکھے گئے ان کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اردو تنقید کی بنیاد انہی تذکروں پر ہے۔

انیسویں صدی میں نثر کے حوالے سے فورٹ ولیم کالج، کلکتہ اور قدیم دہلی کالج نے جو زبان وادب کی خدمات انجام دی ہیں اور جو علمی کارنامے انجام دیے ہیں، وہ اردو نثر کی تاریخ کا اَن مٹ نقش ہیں۔ فورٹ ولیم کالج صرف زبان دانی کا مرکز نہیں تھا بلکہ اس کالج نے ادبی اور لسانی بیداری پیدا کی۔ اگرچہ اس کالج کا مقصد انگلستان سے آنے والے نووارد انگریزوں کو اردو زبان سکھانا تھا تاکہ وہ ہندستانی معاشرت اور یہاں کے لوگوں کے خیالات وتصورات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ کالج کی توجہ کا مرکز انگریز تھے مگر بالواسطہ طور پر اس کالج کی سرگرمیوں اور نشر واشاعت سے یہاں کے باشندے بھی مستفید ہوئے۔ اس کالج نے زبان وبیان کا ایک نیا تصور اور بدلا ہوا نظریہ پیش کیا۔ مقفع ومسجع عبارت آرائی سے نکال کر عام فہم زبان سے ہمکنار کرایا۔ فورٹ ولیم کالج کی توجہ کا مرکز زبان وادب پر زیادہ تھا۔ چنانچہ مواد کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ترجمے کے وسیلے سے اردو کے نثری اور داستانی ادب کے باب میں گرانقدر اضافے کیے۔ باغ وبہار، رانی کیتکی کی کہانی، آرائش محفل، سنگھاسن بتیسی اور شکنتلا جیسی کتابیں اردو ادب کے خزانے میں بیش بہا اضافہ ہیں۔

دلی کالج (سابق مدرسہ غازی الدین خاں) کا مقصد فورٹ ولیم کالج سے الگ تھا۔ اس کالج نے اردو ذریعہ تعلیم سے سب سے پہلے مغربی سائنس، ریاضی اور فلسفہ وغیرہ کی تعلیم کا نظم کیا۔ شمالی ہند میں پہلی بار مغربی اور مشرقی دانشوری اور آگہی کے صحت مند عناصر کو تعلیم کا جزو بنا کر مفید اور کارآمد بنانے کی سعی کی اور غالباً پہلی بار شعوری طور پر مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت کا احساس دلایا۔ کالج کے اساتذہ اور طلبا میں مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولوی مملوک علی، امام بخش ناسخ، ماسٹر رام چندر، ماسٹر پیارے لال، مولوی ذکاؤاللہ اور مولوی احمد علی کے نام خاص ہیں۔

اس صدی کے ادبی شہ پاروں میں مرزا غالب کے خطوط بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ غالب نے اردو نثر میں نئے طرز کی بنا ڈالی اور وفات سے قبل تک شستہ اور خوبصورت نثر لکھی۔ دوستوں، شاگردوں، مداحوں اور سرپرستوں کو لکھے خطوط میں مختلف ادبی، فلسفیانہ، مذہبی، سماجی اور تاریخی مسائل پر بحث کی ہے۔ غالب نے مراسلے کو مکالمے میں تبدیل کیا۔ ان کے خطوط کو پڑھ کر ایسا لگتا

ہے کہ سامنے بیٹھے ایک دوسرے سے کلام کررہے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں جدید اردو نثر کا پیشرو کہا جاتا ہے۔

1.4 انیسویں صدی کا تہذیبی و معاشرتی ماحول

انیسویں صدی اردو ادب کی تاریخ کے پس منظر میں بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ اس صدی کو عہد غالب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس صدی میں تہذیب، تعلیم، فنون لطیفہ اور دنیاوی علوم میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوئیں جس نے ہمارے فکر اور اذہان اور احساس کو بدلنے پر مجبور کر دیا۔ 1803 کے بعد دلی پر انگریزوں کا تسلط اور مغل سلطنت کا پالم سے لال قلعہ تک سمٹ جانا ایک بڑی تبدیلی کی طرف اشارہ تھا۔ نیا سیاسی، سماجی اور تعلیمی نظام اپنی جڑیں مضبوط کر رہا تھا۔ مشرقی علوم اپنا اعتبار کھو رہا تھا۔ شمالی ہند میں نئے مدارس قائم ہو رہے تھے جس سے ہندو مسلم فیض یاب ہو رہے تھے۔ یہاں کے نظامِ اخلاق، اقدار اور زندگی کے عام طور طریقے کو نئے سرے سے وضع کرنے کی ضرورت پر زور دیا جا رہا تھا۔ اس صدی میں ثقافت، ادب اور علوم کے نئے معیار قائم کیے گئے۔ نئے مقاصد اور نصب العین کا تعین کیا جانے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ اس صدی کو نشاۃ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ برطانوی اقدار کے تسلط کے ساتھ نئے خیالات کی داغ بیل پڑی۔ روشن خیالی اور عقلیت کے ایک نئے دور کی شروعات ہوئی اور ہم پر جدید علوم بالخصوص جدید سائنس اور ٹکنالوجی کے رمز منکشف ہوئے۔ نئے تصورات تک رسائی ممکن ہوئی اور اپنی صدیوں کی روایتیں نئے معاشرتی تقاضوں کے تحت فرسودہ لگنے لگیں۔

انیسویں صدی کا نصف اول اور 1857 کے بعد کے ہندستان میں واضح فرق محسوس ہونے لگا تھا۔ مغل سلطنت مکمل طور پر ختم ہو چکی تھی اور انگریز پورے ہندستان پر تسلط قائم کر چکے تھے۔ انیسویں صدی کا نصف اول کا تہذیبی و معاشرتی ماحول شکست خوردہ ہو چکا تھا، جس کی عکاسی مختلف شعرا نے اپنے کلام میں کیا ہے۔ میر کے چند اشعار دیکھیے جس میں اس وقت کے معاشرے کی زبوں حالی کو بیان کیا ہے:

زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال
کنجڑے جھینکیں ہیں روتے ہیں بقال
پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال
ایک تلوار بیچے ہے ایک ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلاش

باوجود اقتصادی بدحالی کے اس وقت کے امرا کا سب سے بڑا مشغلہ لذت کوشی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا:

لعل خیمہ جو ہے سپہرا
پالیں ہیں رنڈیوں کی اس کے پاس

ہے زنا وشراب بے وسواس
رعب کر لیجیے یہیں سے قیاس
قصہ کوتاہ رئیس ہے عیاش

اخلاقی گراوٹ کا عالم یہ تھا کہ امیر رشوت خور، لالچی اور خودغرض ہو چکے تھے۔ ان پر بھروسہ کرنا مشکل تھا۔ ان کی اخلاقی گراوٹ اور کردار کی کمزوری کا اظہار میر نے یوں کیا ہے:

جس پہ ٹھہری ہے آکے سرداری
ان سے ہم کو تھی چشم دلداری
معرفت ان کے بعد صد خواری
فرو دستخط ہوئی جو اکباری
جیسے کھینچے لکیریں کوئی نقاش

اس لکھے کا نہیں ٹھکانا کچھ
وہم میں بھی نہیں ہے پانا کچھ
جس پہ دستخط نہ آئے جانا کچھ
بن نہ آیا مجھے بہانا کچھ
غیر اس کے کہ لے اٹھوں بشاش

یہی حالت کم وبیش عظیم آباد، لکھنؤ اور دیگر بڑے مراکز کی تھی۔ راسخ عظیم آبادی نے پٹنہ کا ذکر اس طرح کیا ہے:

یہ پٹنہ عجب دلکشا شہر تھا
طلسمات تھا واہ کیا شہر تھا
تھے صدق وصفا پیشہ اس کے مقیم
طریقِ وفا پر بہت مستقیم
بہت جانتے ہیں فریب اور زور
بہت بڑھ گیا ہے فسو وفجور

معاشرتی زوال، نااہلوں کے عروج اور باکمال لوگوں کی خواری کے بارے میں میر اور نظیر دونوں نے اس طرح اظہار کیا ہے:

صناع ہیں سب خوار، ازاں جملہ ہوں میں بھی
ہے عیب بڑا اس میں جسے کچھ ہنر آوے

بقول نظیر اکبرآبادی:

زباں ہے جس کی اشارت سے وہ پکارے ہے
جو گونگا ہے وہ کھڑا فارسی بگھارے ہے
جنھوں میں عقل نہیں وہ بڑے سیانے ہیں
جو عقل رکھتے ہیں وہ باولے دوانے ہیں
جنھوں کے کان نہیں دور کی وہ سنتے ہیں
جوکان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دُھنتے ہیں

انیسویں صدی کے نصف آخر میں یعنی 1857 کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد شمالی ہند کے لوگوں کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا وہ سبھی پر منکشف ہے۔ دنیا سے منھ موڑ کر خانقاہوں میں پناہ لینا شروع کیا۔ حُب دنیا کی جگہ رہبانیت کو گلے لگانا شروع کیا لیکن جب غم ہلکا ہوا تو کچھ بیدار ذہن نے نئے شعور اور نئی تہذیبی قدروں کی ترویج وترقی کا پرچم بلند (قوم کی فلاح کے لیے) کیا۔ سرسید اور ان کے معاصرین ان میں پیش پیش تھے۔ انھوں نے عقلیت، حقیقت پسندی اور روشن خیالی پر زور دیا۔ ان کی نظر اجتماعی ماضی کے بجائے حال کی تبدیلیوں اور نئی حقیقتوں پر تھی۔ داستانوں کی فوق فطری دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا کو اپنی کھلی آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔ اگرچہ سرسید، نذیر احمد، حالی، شبلی اور آزاد اجتماعی ماضی کی پرشکوہ شان اور تہذیبی ورثے کی اہمیت کے منکر نہیں تھے۔ ان کے اندر کا پیچ وتاب اور جذباتی اضطراب واضح تھا۔

مرزا غالب نے جس طرح سے اپنے خطوط میں دلی کی بربادی کا نوحہ کیا اور جس طرح سے تباہی کا نقشہ پیش کیا ہے اور تہذیبی وثقافتی ورثے کی تباہی پر اپنے اضطراب وملال کا اظہار کیا ہے وہ انیسویں صدی کی بساط پر پھیلے اجتماعی شعور کا پتہ دیتے ہیں۔ غالب نئی تہذیب کا استقبال کرتے ہیں مگر انھیں اپنے ماضی کی پرشکوہ روایت کے ختم ہونے کا دکھ بھی تھا۔

انیسویں صدی کا تہذیبی ومعاشرتی ماحول ہماری تہذیبی زندگی کے ظاہر اور باطن کی باہمی کشمکش سے دوچار نظر آتا ہے۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ہندستانی بالخصوص مسلمانوں کی زندگی میں ایسا آزمائش کا سخت لمحہ کبھی نہ آیا تھا۔ بقول شمیم حنفی:

> ''انیسویں صدی نے ہماری قومی زندگی کے مکانی پس منظر کے ساتھ ساتھ ہمارے زمانی پس منظر کو بھی دونیم کر دیا۔ اس لحاظ سے انیسویں صدی کے معاشرتی تقاضے بیسویں صدی کے مقابلے میں کہیں زیادہ پر پیچ اور صبر آزما تھے۔ ان تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے زندگی کا ایک نیا اسلوب اختیار کرنا ضروری تھا..... اس لیے انیسویں صدی کے نصف آخر کی تہذیب (1857 کے بعد کی دنیا) میں ایک طرح کی کاروباری اخلاقیات او رہماری تخلیقی حسیت میں بہت کھلی ڈلی نثریت کے عناصر کا عمل دخل صاف

دکھائی دیتا ہے۔''

اس صدی کے نصف اول میں دلی کی تہذیبی اور مذہبی زندگی میں بادشاہ کی موجودگی ان موقعوں پر محسوس کی جاتی تھی جس کا تعلق عوامی مظاہرے سے ہوتا۔ ان موقعوں پر بادشاہ کے ہاتھی طربناک جلوسوں میں شہر میں گشت کرتے اور لال قلعے میں خصوصی طور پر دربار منعقد کیے جاتے۔ 1857 سے قبل دلی کے باشندے لباس، کھانے پینے اور دوسرے رسوم میں دربار شاہی کی پیروی کرتے۔ یہی نہیں امراء ورؤسا کی محفلوں میں بھی دربار شاہی کی پیروی کی جاتی تھی۔

انیسویں صدی کی معاشرتی زندگی میں ایک بڑا واقعہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے توسط سے فصیل بند شہر میں عیسائیوں کی آمد اور عیسائیت کی تبلیغ واشاعت تھا۔ ان کی موجودگی اور تبلیغ کا اثر لوگوں پر پڑنے لگا تھا۔ مثلاً ڈاکٹر چمن لال نے جو بادشاہ کے معالج اور برطانوی میڈیکل افسر تھے، عیسائی مذہب اختیار کرلیا۔ اس کے علاوہ ماسٹر رام چندر اور مولوی عمادالدین بھی عیسائی ہوگئے۔ معاشرتی اعتبار سے یہ ایک بڑی تبدیلی تھی۔

انیسویں صدی کا معاشرتی اور تہذیبی ماحول دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک نصف اول کا معاشرتی نظام جس میں بادشاہی نظام، تہذیب وروایت کی پاسداری تھی اور دوسرا نصف آخر کا معاشرتی منظر نامہ، جہاں صدیوں کی معاشرت اور تہذیب، انگریزی تسلط کے ساتھ یکسر زوال کو پہنچ گئی۔

انیسویں صدی کے معاشرتی، تہذیبی ماحول کی بہترین عکاسی داستان سرائی ہے۔ دلی کے معاشرے میں دربار سے لے کر امراء کی محفل تک داستان گوئی کا رواج عام تھا۔ داستان گو رات کو بادشاہ اور امرا کی محفل میں داستان سناتے تھے۔ 'مرقع دہلی' میں چاندنی چوک کے داستان گویوں کا ذکر ملتا ہے۔

بادشاہ، امرا اور رؤسا پیشہ ور داستان گویوں کو بطور ملازم رکھا کرتے تھے جو رات کو اپنی داستانوں اور انداز بیان کے ذریعے ان بادشاہوں اور امرا اور رؤسا کے دماغ کو افکار اور دنیاوی معاملات سے دور افسانوں کی دنیا کی سیر کراتے اور نیند کی آغوش میں سلا دیتے۔ یہ تو صاحب اقتدار اور صاحب حیثیت کا حال تھا۔ بادشاہ اور امرا کی پیروی کرتے ہوئے عوام میں بھی یہ شوق سرایت کرنے لگا تھا۔ بقول محمد حسن:

> ''عمل سے مایوس اور گریزاں نشاط کے جویا اور پناہ گاہوں کے رسیا ذہن کو جس نشے کی تلاش تھی وہ داستانوں کی پیچیدہ ساخت اور انداز بیان کی جاذبیت فراہم کرتی تھی۔''

بادشاہ، امرا، رؤسا اور عوام کے اس شوق نے اردو نثر نگاری کی راہ ہموار کی۔ زبانی سطح پر داستان گو

اس صنف کے لیے راہ ہموار کر چکے تھے۔انیسویں صدی کا تہذیبی اور معاشرتی ماحول تضاد سے پُر ہے۔ایک طرف سیاسی انتشار اور اقتصادی بدحالی کے بادل منڈلا رہے تھے تو دوسری طرف عیش ونشاط کا دور دورہ بھی تھا جس کا اظہار نظم ونثر کی شکل میں شعرا و ادبا نے گاہے بہ گاہے کیا ہے۔

آخری بات یہ کہ ہندستانی تہذیب، معاشرت اور ماحول کی عکاسی اردو زبان وادب نے غیر معمولی طور پر کی ہے۔پروفیسر عتیق اللہ نے ہندستانی تہذیب و معاشرت اور ثقافت کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے یوں اظہار کیا ہے:

> ''اردو زبان کی تاریخ، ہماری تہذیبی زندگی بلکہ ہمارے اجتماعی لاشعور کی تاریخ ہے۔جس نے ایک سطح پر لنگوافرینکا کا ایک عظیم تہذیبی اور تاریخی کارنامہ انجام دیا تو دوسری طرف کم سے کم عرصہ میں اپنی اس تخلیقی اہلیت اور تمول کا بھی ثبوت فراہم کیا۔جس کی بہترین مثال ہماری شاعری اور داستانوں کا غیر معمولی سرمایہ ہے... اردو زبان نے بلاشبہ اپنے صحیح معنی میں جن افراد کے پہلو بہ پہلو اجماع کے سیاسی اور سماجی شعور اور ان کی جذباتی اور داخلی کشمکشوں، ان کی تہذیب حسیت نیز ان کی آرزوؤں اور امنگوں، کلفتوں اور ہزیمتوں کو اس طور پر رقم کیا کہ آج یہ سرمایہ ہمارے لیے اپنی تاریخ کا ایک معتبر ترین سراغ بن گیا ہے۔اردو زبان کی اسی صلاحیت نے اسے عہد میں ایک نئی معنی بھی دیے ہیں اور ادائیگی کے گوناگوں طریقوں سے بھی سرفراز کیا ہے۔''

1.5 آپ نے کیا سیکھا

آپ نے اس اکائی میں سیکھا کہ

- انیسویں صدی ادب کے اعتبار کے کس طرح اہم ہے۔
- انیسویں صدی کے اہم شعرا اور شعری رجحان کے بارے میں پڑھا۔
- اس دور کے عظیم شاعر مرزا غالب اپنے معاصرین سے کس طور ممتاز تھے۔
- انیسویں صدی میں فورٹ ولیم کالج اور دلی کالج کی ادبی خدمات سے واقفیت۔
- انیسویں صدی کا ادبی، تہذیبی اور معاشرتی ماحول کیسا تھا۔

1.6 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ انیسویں صدی کے مشہور شعرا کا نام بتائیے۔

2۔ دلی کالج سے کون کون اہم لوگ وابستہ تھے؟

3۔ فورٹ ولیم کالج کی بنیادی خوبی کیا تھی؟

4۔ غالب کے معاصرین کون کون شاعر تھے؟

5۔ غالب نے خطوط نگاری میں کیا طرز اختیار کیا؟

1.7 سوالات کے جوابات

1۔ مرزا اسداللہ خاں غالب، شیخ ابراہیم ذوق، مومن خاں مومن، بہادر شاہ ظفر، پنڈت دیا شنکر نسیم، ناسخ، آتش۔

2۔ کالج کے اساتذہ اور طلبا میں مفتی صدرالدین خاں آزردہ، مولوی مملوک علی، امام بخش ناسخ، ماسٹر رام چندر، ماسٹر پیارے لال، مولوی ذکاءاللہ اور مولوی احمد علی کے نام خاص ہیں۔

3۔ فورٹ ولیم کالج کی توجہ کا مرکز زبان وادب پر زیادہ تھا۔ چنانچہ مواد کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے ترجمے کے وسیلے سے اردو کے نثری اور داستانی ادب کے باب میں گرانقدر اضافے کیے۔

4۔ غالب کے معاصرین شاعر تھے، مومن، ذوق، اور ظفر۔

5۔ غالب نے خطوط نگاری میں ایک نئے اسلوب کی بنیاد ڈالی۔ مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔

1.8 فرہنگ

لفظ	معنی
عروج	بلندی، اونچائی، اوج
موسوم	بنام، معروف، نام زد، نام کیا گیا، نام رکھا گیا وغیرہ
مختلف النوع	مختلف قسم کے
پیکر	روپ، ہیئت، صورت
ایہام گوئی	شاعری (شعر) میں ایسے ذو معنی لفظ کا استعمال جس کے دو معنی ہوں۔
رعایت لفظی	تکلف و تصنع سے کام لینا یعنی الفاظ کی ایسی ترتیب جس میں سادگی، بے تکلفی اور بے ساختگی کی فطری راہ ترک کر کے بات کہی جائے۔
اختصاص	خاص امتیاز
نشاۃ ثانیہ	احیائے علوم کا دور
مکیں	رہنے والے

افق	آسمان
نوع	قسم
تفریق	بھید بھاؤ
طرز	اسٹائل، اسلوب
عمق	گہرا
بہرہ ور	خوش قسمت، فائدہ اٹھانے والا
مغنیہ	گانے والیاں
مقفع و مسجع	وہ نثری عبارت جس کے جملے ہم قافیہ ہوں اور قافیے فقرے کے آخر میں ہوں تو وہ اسے مسجع کہتے ہیں
تمول	مالداری، مال، ثروت مندی
ہزیمت	شکست، پسپائی، نقصان
کلفت	رنج، تکلیف

1.9 کتب برائے مطالعہ

1۔	سید احتشام حسین	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	این سی پی یو ایل، دہلی، 2009
2۔	سیدہ جعفر	تاریخ ادب اردو (عہد میر سے ترقی پسند تحریک تک) جلد دوم	حیدرآباد 2002
3۔	پروفیسر محمد حسن	دہلی میں اردو شاعری کا تہذیبی و فکری پس منظر	اردو کادمی، دہلی، 1989
4۔	جلال انجم	اردو غزل انیسویں صدی کے تناظر میں	ناشر مصنف، دہلی، 2007
5۔	اطہر فاروقی، رضا حیدر	انیسویں صدی میں ادب، تاریخ اور تہذیب	مرتبین: انجمن ترقی اردو ہند، 2014
6۔	پروفیسر شمیم حنفی	غالب اور عہد غالب کا تخلیقی ماحول، غالب کی تخلیقی حسیت	غالب اکیڈمی، نئی دہلی، 1987
7۔	ندیم احمد	اردو شاعری میں ہندستانی تہذیب و ثقافت، مرتب: شعبۂ اردو	جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، 2012

اکائی نمبر 2 غالبؔ کی سوانح اور شخصیت

ساخت

2.1 اغراض ومقاصد
2.2 تمہید
2.3 غالبؔ کی ابتدائی حالات زندگی
2.4 خاندانی پس منظر
2.5 مختلف شہروں کے اسفار
2.6 غالبؔ کی ادبی خدمات
2.7 غالبؔ کے معاصرین
2.8 آپ نے کیا سیکھا
2.9 اپنا امتحان خود لیجیے
2.10 سوالات کے جوابات
2.11 فرہنگ
2.12 کتب برائے مطالعہ

2.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- غالبؔ کی شخصیت سے واقف ہوں گے
- غالبؔ کی ادبی خدمات سے متعلق معلومات حاصل کریں گے
- غالبؔ کے معاصرین کے بارے میں جانیں گے
- آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ غالبؔ نے کن شہروں کا سفر کیا
- غالبؔ کے اخلاق وعادات سے متعلق بحث ہوگی

2.2 تمہید

مرزا غالبؔ اپنے عہد کے نمائندہ اور آفاقی شاعر ہیں۔ اردو ادب کی تاریخ میں مرزا غالبؔ کا نام غیر معمولی عظمت کا حامل ہے۔ وہ اردو اور فارسی زبان کے دانشور، عظیم مصنف اور فطری شاعر تھے۔ مرزا غالبؔ کی شخصیت ہمہ جہت تھی۔ وہ جتنے بڑے اردو اور فارسی زبان کے شاعر تھے اتنے ہی بڑے وہ اردو اور فارسی کے نثر نگار بھی تھے۔ انہوں نے شعر وشاعری کے علاوہ تاریخ نویسی میں بھی اپنے علم

وہنر کا لوہا منوایا۔اردو ادب کی تاریخ میں غزل کو اردو شاعری کی آبرو کا درجہ حاصل ہے تو مرزا غالبؔ اس آبرو کی شناخت ہیں۔

2.3 غالب کی ابتدائی حالات زندگی

مرزا غالبؔ کا اصل نام مرزا اسداللہ بیگ خاں ہے۔عرفیت مرزا نوشہ تھی۔ 27 دسمبر 1797ء میں بروز بدھ آگرے میں پیدا ہوئے۔دہلی کے ایک معزز خاندان میں اسداللہ خاں کی شادی ہوئی، شادی کے بعد وہ آگرہ سے دہلی منتقل ہوگئے ۔ان کے والد مرزا دولہا کی نسبت سے انہیں مرزا نوشہ کے نام سے یاد کیا اور دہلی میں اسی عرفیت کے ساتھ وہ مشہور ہوئے۔ پہلے 'اسد' کے نام سے شعر کہتے تھے۔بعد میں کسی اسد نامی شاعر کے بارے میں سنا تو انہوں نے غالبؔ تخلص اختیار کیا۔دبیر الملک، نجم الدولہ اور نظام جنگ جیسے خطابات شاہی دربار سے غالبؔ کو عطا کیے گئے۔استاد شیخ محمد ابراہم ذوقؔ کے بعد بہادر شاہ ظفر کے استاد بھی مقرر ہوئے۔ان کے والد مرزا عبداللہ بیگ خاں ایک بہادر سپاہی تھے۔مرزا غالبؔ کی والدہ کا نام عزت النسا تھا جو ایک معزز خاندان کی تعلیم یافتہ اور نیک دل خاتون تھیں۔غالبؔ کا تعلق ایک معزز خاندان سے تھا۔غالبؔ خود کو پُشنگی اور افراسیابی کہتے تھے۔پشنگ افراسیاب کے باپ کا نام تھا۔افراسیاب قدیم ترکستان یا تورانی قبائل کا ایک معروف اور طاقتور شخص تھا۔غالب اپنے آبائی حسب نامے کے مطابق ترک سلجوقی ہیں۔سپہ گری اس خاندان کا محبوب پیشہ تھا۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

2.4 خاندانی پس منظر

سلجوق سلطنت کا شہزادہ مرزا ترسم بیگ خاں جو مرزا غالبؔ کا پردادا ہے۔جب سلجوق حکومت کو زوال لاحق ہوا تو ترسم خان نے سمرقند میں سکونت اختیار کی۔غالبؔ کے دادا کا نام مرزا قوقان بیگ خاں تھا۔قوقان بیگ خاں اپنے باپ ترسم خاں سے ناراض ہو کر محمد شاہ کے زمانے میں لاہور میں آ بسے تھے۔شہر لاہور میں قوقان بیگ خاں معین الملک کے ہم راہ ہوئے۔جب معین الملک کی بساط الٹ گئی تو قوقان بیگ خاں دہلی میں مرزا نجف خاں بہادر کے دربار سے وابستہ ہوگیے۔غالبؔ کے والد مرزا عبداللہ بیگ خاں کی پیدائش دہلی میں ہوئی۔مرزا قوقان بیگ خاں کی کل سات

اولادیں تھیں: چار لڑکے تین لڑکیاں۔ان میں غالبؔ کے والد مرزا عبداللہ بیگ اور چچا نصر اللہ بیگ بہت مشہور ہوئے ،کئی درباروں میں متعدد عہدوں اور جاگیروں سے سرفراز ہوئے۔اس لیے ان کے احوال زندگی کے بارے میں معلومات دستیاب ہیں جب کہ باقی کے حالات تاریخ میں مرقوم نہیں۔روایت کے مطابق مرزا غالبؔ کے والد مرزا عبداللہ نے بھی اپنے آبائی پیشہ سپہ گری کو اختیار کیا۔عبداللہ بیگ پہلے لکھنو کے نواب آصف الدولہ کے دربار میں ملازم ہوئے۔اس کے بعد حیدرآباد کے نظام علی خان کی فوج میں تین ہزار فوجوں کے ساتھ شامل ہوگیے۔وہاں سے آگرہ چلے آئے، جہاں سکونت اختیار کی۔الور کے راجہ بختاور سنگھ کی فوجی کمان سنبھالی۔1802ء میں راج گڑھ کی معرکہ آرائی میں مرزا عبداللہ جنگ کے میدان میں شہید ہوگیے۔اس وقت مرزا غالبؔ کی عمر صرف پانچ سال کی تھی۔غالبؔ کل تین بھائی بہن تھے،سب سے بڑی بہن چھوٹی خانم اور چھوٹا بھائی مرزا یوسف۔مرزا غالبؔ کے والد کی وفات کے بعد ان کے چچا نصر اللہ بیگ نے مرزا غالبؔ کی کفالت کا بار اپنے ذمہ لے لیا۔نصر اللہ خاں کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے انہیں اپنے بھائی کی اولادوں سے بے انتہا محبت تھی۔انہوں نے ان کی پرورش و پرداخت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔مرزا نصر اللہ آگرہ میں مرہٹوں کی طرف سے صوبے دار تھے۔انگریزوں کے اقتدار میں آنے کے بعد انہیں رسالدار بنا دیا گیا۔آگرہ کے دو پرگنے سونس اور سونسہ کے علاقے بطور جاگیر انہیں عطا کیے گئے تھے۔مگر مشیت یزدی کچھ اور ہی تھی۔1806ء کو مرزا نصر اللہ بیگ ہاتھی سے گر کر شدید طور پر زخمی ہوگیے۔اس حادثے کے بعد ان کی وفات ہوگئی۔اس وقت غالبؔ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔اس طرح غالبؔ چچا کی کفالت اور شفقت سے بھی محروم ہوگیے۔نصر اللہ بیگ خاں کے پس ماندگان کی پرورش کے لیے انگریز حکام نے وظیفہ مقرر کر دیا، جس میں سے ایک مخصوص حصہ مرزا غالبؔ کو بھی ملتا تھا۔بعد میں غالبؔ کے حصے کی رقم روک دی گئی۔جس کے لیے مرزا غالبؔ نے مقدمہ بازی بھی کی اور بہت تکلیفیں اٹھائیں۔

غالبؔ نے اپنے خطوط میں لکھا ہے کہ ان کا کوئی استاد نہیں۔کسی استاد کے سامنے انہوں نے زانوے تلمذ تہہ نہیں کیا۔لیکن یادگار غالبؔ کے مصنف مولانا الطاف حسین حالیؔ نے لکھا کہ یہ ممکن ہے کہ غالبؔ اپنی آزاد طبیعت کی وجہ سے باقاعدہ درسگاہ میں تعلیم حاصل نہ کی ہو،لیکن انہوں نے گاہے بگاہے کئی اساتذہ سے استفادہ کیا ہے۔آگرہ کے معروف معلم شیخ محمد معظم سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔جب غالب دہلی آگیے تو فارسی نژاد عبدالصمد نامی استاد سے کم وبیش فارسی سیکھی تھی۔انہیں کی بدولت فارسی ادبیات کی معلومات حاصل کیں۔غالب کے اساتذہ میں میاں نظیرؔ کا نام بھی آتا ہے ۔لیکن غالبؔ کے ناقدوں اور محققین کی مانے تو زیادہ درست بات یہ ہے کہ غالبؔ نے باقاعدہ روایتی انداز میں کسی خاص استاد سے اتنا کچھ نہیں سیکھا جتنا انہوں نے اپنے ماحول، ذاتی سعی اور طبعی شوق کی بدولت سیکھا۔

مرزا غالبؔ کی شادی 13 برس کی عمر میں امراؤ بیگم سے ہوئی، جو اس وقت 11 سال کی تھیں۔ امراؤ بیگم دہلی کے نواب الٰہی بخش خاں معروفؔ کی چھوٹی بیٹی تھیں۔ غالبؔ کے خسر محترم نواب معروفؔ ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ شاہ نصیرؔ سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ ان کا دیوان بھی شائع ہو چکا ہے۔ نواب معروفؔ ایک نیک طینت اور شریف النفس انسان تھے۔ دہلی کے معزز رئیسوں میں ان کا نام تھا۔ وہ فیروز پور جھرکہ کے فرمارواں نواب احمد بخش رستم جنگ اور رئیس لوہارو کے چھوٹے بھائی تھے۔ نواب احمد بخش عمر میں بڑے ہونے کے باوجود نواب معروفؔ کی عزت کرتے تھے۔ امراؤ بیگم اپنے والد نواب معروفؔ ہی کی طرح ایک نیک دل اور دین دار بی بی تھیں۔ شروع میں غالبؔ کی ازدواجی زندگی خوش گوار رہی لیکن بعد کے دنوں میں ان کے تعلقات خوش گوار نہ رہے۔ غالبؔ میں بے شمار انسانی کمیوں کے باوجود امراؤ بیگم ان سے بے انتہا محبت کرتی رہیں۔ ان کے ذوق وشوق کا خیال رکھتی تھیں۔ غالبؔ کی مشکل ترین ایام اور تنگ دستی میں بھی صبر کا دامن انہوں نے نہیں چھوڑا۔ گلہ و شکوہ کے الفاظ تک امراؤ بیگم کے منہ سے نہیں نکلے اور تادم مرگ غالب کی ہر کمی پر پردا ڈالتی رہیں۔

مرزا غالبؔ کو اولاد کی نعمتیں بھی حاصل ہوئیں، لیکن جیتے جی ان کے فوت ہو جانے کا غم بھی برداشت کرنا پڑی۔ مرزا غالبؔ کی سات اولادوں میں سے کسی کو بھرپور زندگی نہ ملی۔ پے در پے اولاد کی اموات نے غالب کی زندگی کو متاثر کیا۔ اس غم کو کم کرنے کے لیے انہوں نے اپنی بیوی کی بڑی بہن کے بیٹا زین العابدین کو اپنا متبنّی بنا لیا۔ زین العابدین سے مرزا غالبؔ کو بے حد محبت تھی۔ زین العابدین ایک خوش گو شاعر بھی تھے۔ عارفؔ تخلص اختیار کیا تھا۔ شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے۔ مگر بدقسمتی سے زین العابدین کا انتقال عین جوانی میں ہی ہو گیا۔ اس سانحہ نے مرزا غالبؔ کی زندگی پر بہت اثر ڈالا۔ غالبؔ نے ان کی وفات پر ایک پر درد مرثیہ بھی اردو میں لکھا۔ جس میں غالب نے اپنے غم واندوہ کو بے حد موثر انداز میں بیان کیا ہے۔ اس مرثیے کا پہلا شعر یہ ہے:

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستا کوئی دن اور
تنہا گئے کیوں، اب رہو تنہا کوئی دن اور

مرزا غالبؔ کا عہد طفولیت آرام و آسائش میں گذرا۔ لیکن والد اور چچا نصر اللہ بیگ کی موت کے بعد انہیں کئی قسم کی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آگرے میں مرزا غالبؔ کی زندگی خوش حالی میں بسر ہوئی۔ وہ ہر قسم کی سیر و تفریح میں حصہ لیتے۔ گھر کا ماحول اور لاڈ پیار کی وجہ سے آزادہ روی مرزا غالبؔ کی شخصیت کا جز لاینفک بن گئی۔ رئیس زادوں کی صحبت نے غالبؔ کی شخصیت کو کئی اعتبار سے متاثر کیا۔ شراب نوشی، قمار بازی اور ان جیسے متعدد سماجی و اخلاقی عیوب ان کی طبیعت کے منفی پہلو کو ظاہر کرتے ہیں۔ مے نوشی جو انہوں نے رئیس زادوں کی صحبت میں آگرہ میں شروع کی تھی اس کی ایسی لت لگی کہ تادم مرگ شراب نوشی نہیں چھوڑی۔ شراب خریدنے کے لیے مہاجنوں

سے قرض لیتے تھے، احباب کی محفلیں لگتیں، بزم آرائیاں ہوتیں اور جام و مینا کا دور چلتا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ قرض پر اٹھائے گئے سارے پیسوں کی شراب خرید لائے اور اپنے گھر میں قسم قسم کی شرابیں سجا دیں۔ اس پر خفا ہو کر بیگم امراؤ نے کہا کہ گھر میں ایک وقت کا راشن نہیں ہے اور آپ نے سارے پیسے شراب پر خرچ کر دیے۔ غالبؔ نے یہ کہہ کر بیوی کو خاموش کر دیا کہ اللہ نے اپنے بندوں سے رزق دینے کا تو وعدہ کیا ہے لیکن شراب دینے کا وعدہ نہیں کیا ہے۔

مرزا غالبؔ طبعی طور پر آزاد خیال تھے۔ غالبؔ کی اشعار ان کی آزاد خیالی کے ثبوت ہیں۔ ذاتی زندگی میں بھی وہ بے حد آزاد واقع ہوئے تھے۔ مذہب کو بھی وہ اپنی زندگی میں زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اپنی آزاد خیالی کا برملا وہ اظہار بھی کرتے تھے۔ 1857ء کی فوجی بغاوت کے بعد چند گورے سپاہی غالب کے محلے میں بھی گھس آئے۔ محلے کے چند دیگر افراد کے ساتھ غالبؔ کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں ایک انگریز افسر کرنل براؤن کے سامنے پیش کیا گیا سب سے مختلف سوالات پوچھے گئے۔ جب مرزا غالبؔ کی باری آئی تو کرنل براؤن نے غالبؔ کے وضع قطع کو دیکھ کر پوچھا ''ول تم مسلمان ہے؟ اس پر غالب نے برجستہ جواب دیا حضور! ''آدھا مسلمان ہوں'' اس پر کرنل کو حیرت ہوئی اور پوچھا ''یہ کیسے'' اس پر غالبؔ نے کہا جناب ''شراب تو پیتا ہوں' سور نہیں کھاتا''۔ اس لیے آدھا مسلمان ہوں اس پر وہاں موجود سبھی ہنس پڑے۔ غالبؔ کے ساتھ محلے کے دیگر افراد کو رہا کر دیا گیا۔

مرزا غالبؔ کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو شوخی و ظرافت ہے۔ وہ حقیقی زندگی میں خوش طبع انسان تھے۔ مرزا غالبؔ فطری طور پر شوخ اور ظریف واقع ہوئے تھے بذلہ سنجی ان کی شخصیت کا خاصہ ہے۔ مشکل ترین حالات میں بھی انہوں نے ہنسنا ہنسانا ترک نہیں کیا۔ غم روزگار نے غالبؔ کو غمگین اور بے چین تو ضرور کیا، لیکن ان کی زندہ دلی کم نہیں ہوئی۔ اسی لیے حالیؔ نے غالبؔ کو ''حیوان ظریف'' کے لقب سے یاد کیا۔

مرزا غالبؔ کی شخصیت پہلو دار شخصیت ہے۔ ان کی شخصیت کا پرتو ان کی شاعری پر بھی نمایاں ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں کئی نشیب و فراز دیکھے۔ غالبؔ کی شاعری ان کی زندگی کے اتار چڑھاؤ کا بین ثبوت ہے۔ عملی زندگی میں غالبؔ بے حد خوش اخلاق انسان تھے۔ وہ خوش مزاج اور شگفتہ گو تھے۔ حاضر جوابی ان کی شخصیت کا نمایاں وصف تھا۔ غالبؔ صاف گو اور نیک طبیعت کے حامل شخص تھے۔ وہ ایک حساس ذہن و فکر کے مالک تھے۔ غرور اور انکساری کی آمیزش اور زندگی کے متضاد پہلوؤں سے ان کی شخصیت میں تہہ داری تھی۔ بسا اوقات تعلّی کا ظہار کرتے نظر آتے ہیں تو بعض دفعہ عجز و انکساری کا پیکر نظر آتے ہیں۔ بحیثیت انسان عملی زندگی میں غالبؔ خوبیوں اور کمیوں کا

مجموعہ ہیں۔ان کی عملی زندگی کو دیکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جتنے بڑے اور اچھے وہ شاعر ہیں اتنے ہی بدنام انسان بھی۔غالب نے خود اس بات کا اظہار اپنے ایک شعر میں کیا ہے۔

ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
شاعر تو وہ اچھا ہے، پہ بدنام بہت ہے

مرزا غالبؔ کی شخصیت میں خود داری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔انہوں نے خودداری سے سمجھوتا نہیں کیا۔جدید علوم کے فروغ کی غرض سے دہلی میں جب انگریزوں نے دلّی کالج قائم کیا تو دیگر زبانوں کی طرح فارسی زبان کی تدریس کے لیے ایک فارسی داں معلم کی ضرورت پڑی۔

مفتی صدرالدین آزردہؔ کی تجویز پر مرزا غالبؔ کو اس عہدے کے لیے مدعو کیا گیا۔غالبؔ پالکی پر سوار ہوکر گورنر مسٹر ٹامسن کے بنگلے پر پہنچے اور دروازے پر کھڑے ہوکر اس بات کا انتظار کرنے لگے کہ کوئی ان کے استقبال کے لیے آئے تو وہ اندر جائیں۔جب گورنر ٹامسن کو اس بات کا علم ہوا تو وہ خود باہر آئے اور غالبؔ سے کہا کہ آپ ملاقات کے لیے آئے ہو تو میں آپ کا ستقبال کرتا۔آپ تو ملازمت کے لیے آئے ہیں اس لیے استقبال نہیں کیا جاسکتا تھا۔گورنر کی بات سے غالبؔ کی خودداری کو ٹھیس پہنچی۔اس پر غالبؔ نے جواب دیا کہ ایسی ملازمت کو دور سے سلام کرتا ہوں جس سے میری عزت وتوقیر میں کمی ہو یہ کہہ کر غالبؔ اپنے گھر واپس آ گئے اور دوبارہ کبھی ملازمت کے بارے میں سوچا تک نہیں۔

2.5 مختلف شہروں کے اسفار

دہلی میں مستقل سکونت کے بعد مرزا غالبؔ نے دہلی سے باہر کلکتہ، رام پور اور میرٹھ جیسے شہروں کے سفر کیا۔ان میں سب سے لمبا سفر کلکتہ کا تھا۔اس شہر کا سفر انہوں نے پنشن کی بحالی کی غرض سے کیا تھا۔اس سلسلے میں وہ تقریباً تین سال دہلی سے باہر رہے۔اس سفر کے دوران انہوں نے لکھنو، الہ آباد، بنارس، پٹنہ اور بعض دوسرے شہروں میں بھی قیام کیا۔دراصل غالبؔ کو فیروز پور جھرکہ سے جو پنشن ملتی تھی اسے احمد بخش خان کے بیٹے نواب شمس الدین احمد خان نے بند کر دیا۔غالبؔ معاشی تنگی سے پریشان تھے اس لیے انہیں قانونی چارہ جوئی کے لیے کلکتہ کا سفر کرنا پڑا۔اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کا دارالحکومت کلکتہ شہر ہی تھا۔گورنر اسی شہر میں رہتا تھا۔اس کی انتظامیہ کونسل کے سامنے غالبؔ نے اپنا مقدمہ پیش کیا۔منت وسماجت کی، سفارشیں کرائیں، وظیفے کی بحالی کے لیے بڑی مشکلیں جھیلیں پھر بھی وہ کلکتہ سے خالی ہاتھ ہی لوٹے۔مرزا غالبؔ کلکتہ اپنی پنشن سے متعلق مقدمے کے سلسلے میں گئے تھے۔جسے وہ بحال کرانے میں ناکام رہے لیکن اس سفر سے مرزا غالبؔ کو بہت فائدے ہوئے۔شہر کلکتہ غالبؔ کو خوب پسند آیا۔وہ اپنے خطوط اور نظموں میں یہاں کی آب وہوا اور آموں کی خوب تعریف کی ہیں۔وہ وہاں کے ادبی مشاعروں میں بھی شریک ہوتے رہے۔اس شہر میں ان کے کئی اچھے

دوست بھی ہو گئے تھے جن سے تا حیات دوستانہ رہا۔کلکتہ میں غالبؔ کو ایک علمی معرکہ کا بھی سامنا کرنا پڑا جس کا ذکر انہوں ''بادمخالف'' نامی مثنوی میں کیا ہے۔اسی سفر کے دوران مرزا غالبؔ نے لکھنو میں چند ماہ قیام کیا۔لکھنو کے اہل علم نے ان کی خوب آو بھگت کی ،لیکن بادشاہ غازی الدین حیدر اور اس کے نائب آغا میر کے دربار میں رسائی نہ ہوسکی۔لکھنو سے کانپور اور الہ آباد کے راستے بنارس پہنچے۔شہر بنارس مرزا غالبؔ کو بہت پسند آیا اور اس شہر کی تعریف میں فارسی زبان میں ایک مثنوی بعنوان ''چراغ دیر'' تحریر کیا۔مرزا غالب رام پور دو بار گئے۔پہلی مرتبہ 1860ء میں رام پور کا سفر کیا۔نواب یوسف خان غالبؔ کے علمی پرستار اور محسن تھے۔غالبؔ کی تنگ دستی کے زمانے میں انہوں نے بطور وظیفہ سو روپیے ماہ وار مقرر کر دیا۔نواب یوسف علی خاں مرزا غالبؔ کے شاگرد بھی تھے۔رام پور کے اہل علم میں غالبؔ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ان کی صحبت سے اہل رام پور مستفیض ہوئے۔رام پور کا دوسرا سفر غالب نے 1865ء میں کیا تھا جب نواب یوسف خان کا انتقال ہوا تھا۔ان کے جاں نشیں نواب کلب علی خان نے بھی غالبؔ کو خوب عزت دی اور ان کی خاطر داری کی۔انہوں نے بھی غالبؔ کا وظیفہ جاری رکھا۔1859ء میں غالبؔ نے میرٹھ کا سفر کیا۔اس وقت میرٹھ شہر میں ہی غالبؔ کے دوست نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ رہتے تھے۔ان سے غالبؔ نے ملاقات کی۔شیفتہؔ اس زمانے کے بڑے بلند مرتبہ لوگوں میں تھے۔ان کے نام غالبؔ کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ شیفتہؔ سے ان کا والہانہ لگاو تھا۔

2.6 غالبؔ کی ادبی خدمات

یہ سچ ہے کہ مرزا غالبؔ کو فارسی زبان و ادب سے بے حد دل چسپی تھی۔انہیں اپنے فارسی کلام پر فخر تھا۔وہ اپنے فارسی کلام پر داد و تحسین کے خواہش مند بھی تھے،لیکن جو شہرت ان کے اردو کلام کو ملی وہ مقبولیت فارسی کلام کو نہیں ملی۔میرؔ کی تقلید میں ریختہ گوئی کی طرف متوجہ ہوئے۔روایت پسندی کے باوجود فکر و خیال کی جدت،اسلوب و زبان میں ندرت اور الفاظ و تراکیب کے استعمال میں انوکھے پن جیسے اوصاف سے اردو شاعری کے سرمایے میں بیش بہا اضافہ کیا۔نظم و نثر دونوں میں مرزا غالبؔ کے ادبی کارنامے سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ابتداً غالب نے بیدلؔ کے تتبع میں فارسی زبان میں شاعری کی۔ان کے فارسی کلام کا ایک ضخیم دیوان موجود ہے۔یہ دیوان پہلی مرتبہ 1845ء میں ''میخانہ آرزو'' کے نام سے شائع ہوا۔اسی دیوان کو حذف و اضافہ کے بعد 1867ء میں ''سبد چیں'' کے نام سے طبع کیا گیا۔اس میں مثنوی ''ابر گہر بار'' بھی شامل ہے۔اہل ایران نے بھی غالب کی فارسی دانی کو تسلیم کیا ہے۔اردو دیوان ''دیوان غالب'' نسبتاً مختصر ہے لیکن وہ کون سے موضوعات ہیں جو اس میں موجود نہ ہوں۔بنیادی طور پر غالبؔ غزل کے شاعر ہیں۔غزل گوئی کے

علاوہ انہوں نے قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور رباعی جیسے اصناف میں طبع آزمائی کی اور ہر صنف سخن میں غالبؔ نے اپنی خداداد شعری صلاحیت کا بہترین مظاہرہ کیا۔ غالبؔ جدت پسند تھے۔ تقلید کی راہ پر وہ کبھی نہیں چلے، ہر صنف سخن میں اپنی راہ خود بنائی اور خوب بنائی۔ غالبؔ کے خطوط سے اردو نثر کی تاریخ میں ایک نئے اسلوب کا آغاز ہوا۔ اردو نثر کی ارتقا میں غالب کے خطوط کی بڑی اہمیت ہے۔ بات کہنے کا بے تکلفانہ انداز کے ذریعہ غالب نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا۔ ان کے مکتوبات پڑھتے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی سے باتیں کر رہے ہوں۔ مرزا غالبؔ سے پہلے اردو میں مکتوب نگاری کی روایت بے حد پر تکلف ہوا کرتی تھی۔ غالبؔ نے روایت سے منحرف ایک نئے طرز کی بنیاد ڈالی۔ اسلوب کی سادگی، روزمرہ کا استعمال، شستہ و شائستہ زبان شوخی و ظرافت ان کے خطوط کے نمایاں اوصاف ہیں۔ ابتداً غالبؔ فارسی میں خط لکھا کرتے تھے۔ ان کے فارسی خطوط کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ بعد میں اردو میں لکھنا شروع کیا۔ غالبؔ کی زندگی میں ان کے خطوط کا مجموعہ ''عود-ہندی'' کے نام سے ممتاز میرٹھی نے 1868ء میں شائع کیا تھا۔ غالبؔ کی وفات کے بعد دوسرا مجموعہ ''اردوئے معلیٰ'' 1869ء میں اور ''مکاتیب غالب''، جس میں دربار رام پور کے نام لکھے خطوط ہیں 1937ء میں شائع کیا گیا۔ غالبؔ اپنے رفقا اور محسنوں کے احوال جاننے اور تلامذہ کی شعری اصلاح کی غرض سے خط لکھا کرتے، پابندی سے خطوط کے جواب لکھتے اور خط کے جواب آنے کا انتظار بھی شدت سے کرتے تھے۔ ان کے خطوط میں اس زمانے کے سماجی سیاسی اور ادبی رویوں کا بھرپور بیان ہے۔ جنگ آزادی کے واقعات و حالات کا اندازہ بھی ان کے خطوط سے ہوتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ غالبؔ کی سوانح عمری کے مختلف گوشے ان خطوط میں موجود ہیں۔ علاوہ ازیں ''پنج آہنگ''، ''مہر نیم روز''، ''دستنبو''، ''قادر نامہ''، ''قاطع برہان'' غالبؔ کے وہ ادبی یادگار ہیں جس کی اہمیت تاریخ ادب اردو میں مسلم ہے۔

2.7 غالب کے معاصرین

نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ، مولانا فضل حق خیرآبادی، مفتی صدرالدین آزردہؔ، مولانا امام بخش صہبائیؔ اور سرسید احمد خان جیسی عظیم شخصیات مرزا غالبؔ کے رفقا اور ان کے قدرشناس تھے۔ یہ سب کے سب علم دوست اور مختلف علوم و فنون کے ماہرین تھے۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ کا شمار اس زمانے کے نام وروں میں ہوتا تھا۔ وہ ایک زبردست عالم اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ شیفتہؔ مرزا غالبؔ کے ان مخلص دوستوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے مشکل حالات میں غالبؔ کی مدد کی اور تنگی میں مالی تعاون کیا۔ مولانا فضل حق خیرآبادی عربی زبان و ادب کے بڑے عالم تھے۔ اس زمانے کے دیگر علما

بھی ان کی فقہی بصیرت کے قائل تھے۔انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے جہاد کا فتوا جاری کرنے کے جرم میں قید کر کے جزیرہ انڈمان نیکوبار بھیج دیے گئے جہاں 1861ء میں ان کی وفات ہوئی۔فضل حق خیرآبادی کی صحبت سے مرزا غالبؔ بہت مستفیض ہوئے۔وہ بھی وقتاً فوقتاً مرزا غالبؔ کو شاعری سے متعلق مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔آسان شعری اسلوب وتراکیب اور عام فہم زبان و بیان کے استعمال سے متعلق ہدایات دیتے رہتے تھے۔ان کے سمجھانے پر ہی مرزا غالب مشکل گوئی سے سہل گوئی کی طرف لوٹے اور اپنا دیوان از سرنو مرتب کیا تھا۔غالبؔ فضل حق خیرآبادی کے تبحر علمی کے قائل ہی نہیں بلکہ ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔مفتی صدرالدین آزردہ مرزا غالبؔ کے ان دوستوں میں سے ہیں جن سے غالبؔ کو محبت اور عقیدت تھی۔پوری زندگی ان کے آزردہ سے دوستانہ مراسم قائم رہے۔سرسید احمد خان غالبؔ کے ان ہم نشینوں میں سے ایک ہیں جو غالب کے علمی قدر شناس اور ان کی شاعری کے قائل تھے۔ان کی نظر میں مرزا غالبؔ کی بڑی اہمیت وعزت تھی۔سرسید اپنی دو کتابوں پر غالبؔ سے تقریظیں لکھوائیں۔انہوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''آثارالصنادید'' میں دہلی کے جن اہم شخصیات کا تذکرہ کیا ہے ان میں غالبؔ کا بھی نمایاں طور پر ذکر کیا ہے۔سرسید احمد خان اور غالبؔ کے مابین محض علمی تعلقات نہیں تھے بلکہ ان کے مابین گھریلو مراسم تھے۔علاوہ ازیں امیر مینائی،نواب علی اکبر خان،مولوی سراج الدین احمد شیخ اور امام بخش ناسخؔ سے غالبؔ کا گہرا دوستانہ تھا۔ان کے نام خطوط میں غالبؔ نے ان رشتوں کے بارے میں بہت کچھ تحریر کیا ہے جو مطالعہ سے تعلق رکھتا ہے۔

شاہ نصیرؔ،استاد شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ اور مومن خاں مومنؔ مرزا غالب کے نام ور معاصرین شعرا ہیں۔یہ سب کے سب دہلی کے اساتذہ شعروسخن تھے۔ان میں ادبی چپقلش کے باوجود ایک دوسرے کے قدرداں تھے۔استاد ذوقؔ بہادر شاہ ظفر کے دربار سے وابستہ تھے۔قصیدہ گوئی کی طرف انہوں نے خاص توجہ دی۔ان کے قصائد بے حد مقبول ہوئے۔قصیدہ گوئی کی وجہ سے ہی استاد ذوقؔ کو شہرت دوام ملی۔شاہ نصیرؔ اور مومنؔ متصوفانہ مزاج کے حامل تھے۔ان کی شاعری میں تصوف کا رنگ بھی نمایاں ہے۔مرزا غالبؔ جب آگرہ سے منتقل ہو کر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے تو ابتداً انہیں توجہ نہیں دی گئی،ان کی شاعری کو سنجیدگی سے کسی نے نہیں لیا لیکن مرزا غالب بہت جلد ہی اپنی فطری صلاحیت اور شعری مہارت کو تسلیم کروانے میں کامیاب ہو گئے۔ان کے ہم عصروں نے بھی ان کے فن کا لوہا مان لیا۔

مرزا غالبؔ کا تعلق جس عہد سے ہے،ہندوستان کی تاریخ میں اس دور کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔1857ء میں مغلیہ سلطنت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔اس کی جگہ انگریز ہندوستان کے حکمراں بن بیٹھے۔سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی مشرقی تہذیب دم توڑنے لگی تھی۔انگریزوں کے ساتھ مغربی تہذیب بھی آئی۔دو قوموں کی دو تہذیبیں باہم متصادم ہوئیں۔مرزا

غالبؔ اس دور کے سماجی و معاشی اور تہذیبی بدلتے حالات کے عینی شاہد تھے۔ غالبؔ مشرقی تہذیب کے دل دادہ تو ضرور تھے، لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی روز بروز بڑھتے سیاسی اثر ورسوخ سے وہ چشم پوشی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے غالبؔ انگریزوں کے سامنے سرنگوں تو نہ ہوئے لیکن ان سے کسی حد تک مرعوب ضرور تھے۔ یہی وجہ کہ غالبؔ نے انگریزوں کی پناہ میں ہی خود کی عافیت محسوس کی۔

2.8 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ

- مرزا غالبؔ کی شخصیت سے واقف ہوئے۔
- مرزا غالبؔ کی حالات زندگی کو تفصیل سے جانا اور سمجھا۔
- مرزا غالبؔ کے معاصرین کے بارے میں واقفیت حاصل کی۔
- غالبؔ کی ادبی خدمات کے بارے میں تفصیل سے سمجھا۔
- غالبؔ کے عادات واطوار اور ان کے اسفار کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔

2.9 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ غالبؔ کب اور کس شہر میں پیدا ہوئے بتایئے؟
2۔ غالبؔ کے والدین کے نام بتایئے؟
3۔ غالبؔ کی شادی کب اور کس سے ہوئی اس پر روشنی ڈالیے؟
4۔ مرزا غالبؔ رام پور کتنی بار گئے؟ اور کلکتہ کا سفر کیوں کیا تھا؟
5۔ غالبؔ کے پانچ معاصرین ادیبوں کے نام بتایئے؟

2.10 سوالات کے جواب

1۔ غالبؔ کی ولادت 27 دسمبر 1797ء کو شہر آگرہ میں ہوئی۔
2۔ مرزا غالب کے والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ خان اور والدہ کا نام عزت النسا بیگم ہے۔
3۔ غالبؔ کی شادی 1810ء میں 13 سال کی عمر میں امراؤ بیگم سے ہوئی۔ اس وقت امراؤ بیگم کی عمر محض 11 سال کی تھی۔
4۔ غالبؔ رام پور دو بار تشریف لے گئے۔ پہلی دفعہ 1860ء میں جب نواب یوسف علی خان رام پور کے والی تھے۔ دوسری بار غالب نے 1865ء میں رام پور کا سفر کیا جب نواب یوسف علی خان کا انتقال ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے تعزیت پیش کی۔

5۔ غالبؔ کے معاصرین ادیبوں میں استاد شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ، شاہ نصیر، مومن خاں مومنؔ، بہادر شاہ ظفرؔ اور نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ کے نام اہم ہیں۔

2.11 فرہنگ

لفظ	معنی
عہد	زمانہ، سال
آفاقی	ساری دنیا کا، عالمگیر
حامل	بوجھ اٹھانے والا
دانشور	علم والا، عقل والا
مصنف	تصنیف کرنے والا، کتاب لکھنے والا
فطری	پیدائشی
ہمہ جہت	ہر اعتبار سے
نثر نگار	نثر لکھنے والا
آبرو	عزت
شناخت	پہچان
نوشہ	دولہا
تخلص	شاعر کا وہ مختصر نام جو مقطع میں استعمال کرتا ہے
خطابات	بادشاہ یا سرکار کی طرف سے اعزازی نام، واحد: خطاب
قبائل	گروہ، فرقہ
زوال	نقصان، اتار، تنزلی
بساط	بستر، بچھونا، فرش
سپہ گری	سپاہی کا کام یا پیشہ
سکونت	کسی مقام یا کسی ملک میں بحیثیت شہری مستقل طور پر قیام
وفات	موت
پرورش	دیکھ بھال، پال پوس
صوبے دار	ریاست کا گورنر

رسالدار	ایک رسالے کا افسر، سو سواروں کا افسر
محروم	منع کیا گیا، روکا گیا
خسر	سسر، بیوی کا باپ
کہنہ مشق	ماہر، تجربہ کار، منجھے ہوئے
ایام	یوم کی جمع، دن
متبنّی	متبنی بنانے والا باپ، گود لینے والا
سانحہ	واقعہ، حادثہ
طفولیت	بچپن، بالکپن ۔لڑکپن
قمار بازی	جوا کھیلنا۔شرطیہ بازی
خفا	ناراض
خودداری	غیرت، ثابت قدمی
معلم	استاد
تجویز	رائے، مشورہ
حیوان ظریف	خوش طبع ۔ہنس مکھ
خوش اخلاق	عمدہ اخلاق
صاف گو	سچا، کھری بات کہنے والا
ملازمت	نوکری
عہدہ	منصب، مرتبہ
استقبال	خوش آمدید
سنگ میل	میل کا پتھر جو راہ گیروں کی رہنمائی کا کام کرتا ہے
آفتاب	سورج
غروب	ڈوب جانا
حکمراں	برسر اقتدار، صاحب حکومت
عینی	آنکھوں دیکھا
دل دادہ	فریفتہ، عاشق، گرویدہ

چشم پوشی	آنکھ چرانا، نظر انداز کرنا
مرعوب	ڈرا ہوا
مستقل	ہمیشہ کے لیے
پنشن	وظیفہ
چارہ جوئی	فریاد، نالش
دارالحکومت	راجدھانی
منت وسماجت	پیروی، التجا
سفارش	کسی کی بھلائی یا مطلب برآری کے لیے دوسرے سے کلمات خیر کہنا۔
معرکہ	لڑائی، جنگ
قیام	مقیم۔فروکش، مستقل ایک حالت پر قائم
ماہ وار	ہر مہنے، مہینے کے مہینے
مستفیض	فیض یاب، فیض اٹھایا
جاں نشیں	سلطنت کے نائب

2.12 کتب برائے مطالعہ

1۔	الطاف حسین حالی	یادگار غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی، 1986
2۔	شمس الرحمٰن فاروقی	تفہیم غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی، 2006
3۔	شان الحق حقی	آئینہ افکار غالب	ادارہ یادگار غالب کراچی، 2001
4۔	عبادت بریلوی	غالب اور مطالعہ غالب	سکسینہ پبلشنگ ہاؤس دہلی، 1970
5۔	مولانا غلام رسول مہر	دیوان غالب	شیخ غلام علی اینڈ سنز ایجوکیشنل پبلیشر لاہور، 1967
6۔	مختارالدین احمد	احوال غالب	انجمن ترقی (ہند) دہلی، 1953
7۔	آغا محمد باقر	بیان غالب	کتابی دنیا دہلی، 2000

8۔	تنویر احمد علوی	غالب کی سوانح عمری	غالب اکادمی بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی، 2004
9۔	اسلوب احمد انصاری	نقش ہائے رنگ رنگ	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، 1975
10۔	ڈاکٹر عقیل احمد	جہات غالب	غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی 2004

اکائی نمبر 3 غالبؔ کے معاصرین

ساخت

3.1 اغراض ومقاصد

3.2 تمہید

3.3 حالاتِ زندگی اور ذہنی تربیت

3.3.1 غالبؔ کا عہد

3.3.2 غالبؔ کے معاصرین، مومنؔ، ذوقؔ، ظفرؔ، شیفتہؔ

3.3.3 غالبؔ اور ان کے معاصرین کا نمونۂ کلام

3.4 آپ نے کیا سیکھا

3.5 اپنا امتحان خود لیجیے

3.6 سوالات کے جوابات

3.7 فرہنگ

3.8 کتب برائے مطالعہ

3.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- مرزا غالب کے حالاتِ زندگی اور فن سے متعارف ہوں گے
- مرزا غالب اور ان کے معاصرین کے نمائندہ کلام کا مطالعہ کرسکیں گے
- مرزا غالب کے عہد کی خصوصیات سے واقفیت حاصل کریں گے
- مرزا غالب کے ہم عصر شعرا کے متعلق جانکاری حاصل کریں گے

3.2 تمہید

جیسا کہ ہم سبھی کو معلوم ہے کہ اردو شاعری کا آغاز دکن میں ہوا اور وہاں سے نکل کر یہ شمال میں دہلی میں پروان چڑھی۔ مغلیہ عہد کے سیاسی اور معاشی بحران کی وجہ سے اردو ادب کی سرگرمیاں دہلی سے لکھنو منتقل ہوگئیں اور وہاں پورے آب وتاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوئیں۔ کچھ عرصے بعد ہی دہلی میں شعروادب کی بہار واپس لوٹ آئی۔ انیسویں صدی میں اردو شاعری اپنے ارتقا کے مختلف مدارج طے کرچکی تھی۔

اس عہد میں غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ تمام اہم شعری اصناف کو معراج حاصل ہوا۔ بہادر شاہ ظفرؔ، محمد

ابراہیم ذوقؔ، اسداللہ خاں غالبؔ اور مومن خاں مومنؔ جیسے عظیم شعراء اپنی اعلیٰ پائے کی شاعری سے ادبی دنیا کو فیض یاب کر رہے تھے۔ مشہور ترقی پسند نقاد پروفیسر سید احتشام حسین اپنی کتاب ''اردو ادب کی تنقیدی تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

> ''اس وقت بھی جب دلی کے شاعر اودھ یا دوسری ریاستوں میں جا رہے تھے، کئی اہم اور مشہور شاعر وہیں کی رونق بنے ہوئے تھے۔ ہاں اودھ ضرور پر کشش دور کا ثبوت دے رہا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دلی میں ہولناک سناٹا چھا جائے گا۔ لیکن جیسے عارضی سکون کے بعد طوفان آتا ہے، دلی میں بھی شاعری کے سوتے پھوٹ بہے اور ایک عظیم تہذیبی اور شاعرانہ عہد کا آغاز ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جاں بلب مغل حکومت سنبھل گئی بلکہ چراغ کی لو آخری بار تیز ہوتی معلوم ہوئی۔ اس عہد کو مومن، ذوق، ظفر، غالب، شیفتہ وغیرہ نے لازوال بنا دیا۔ ان ستونوں نے گرتے ہوئے ایوان کو سنبھال لیا اور ان روایات کو اور زیادہ طاقتور اور وسیع بنا دیا جنھیں میر، سودا اور درد نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے زندہ کیا تھا۔''

غالب کے عہد کو اردو شاعری کا عہد زریں بھی کہا جاتا ہے۔ اس عہد میں دہلی اور لکھنو میں بہت سے باکمال شاعر اپنا جلوہ دکھا رہے تھے۔ دہلی میں غالب کے ہم عصروں میں حکیم مومن خاں مومن، شیخ محمد ابراہیم ذوق، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، بہادر شاہ ظفر وغیرہ کی موجودگی اردو کی ادبی فضا کو منور کر رہی تھی۔ ادھر لکھنو میں مصحفی، آتش اور ناسخ کو بھی کسی حد تک ہم غالب کے معاصرین میں شمار کر سکتے ہیں۔ انیسویں صدی کے نصف اول میں یہ تمام شاعر موجود تھے۔ اردو شعر و ادب کی تاریخ میں اس عہد کو خاص مقام حاصل ہے۔

3.3 غالب کی حالاتِ زندگی اور ذہنی تربیت

مرزا غالبؔ کا اصل نام مرزا اسداللہ بیگ خان ہے۔ عرفیت مرزا نوشہ تھی۔ 27 دسمبر 1797ء میں بروز بدھ آگرے میں پیدا ہوئے۔ دہلی کے ایک معزز خاندان میں اسداللہ خان کی شادی ہوئی، شادی کے بعد وہ آگرہ سے دہلی منتقل ہو گئے۔ دہلی میں انہیں مرزا نوشہ کے نام سے یاد کیا گیا اور اسی عرفیت کے ساتھ وہ مشہور ہوئے۔ پہلے 'اسدؔ' کے نام سے شعر کہتے تھے، بعد میں کسی اسد نامی شاعر کے بارے میں سنا تو انہوں نے غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ اور پھر شعر و ادب کی دنیا میں ہمیشہ غالب رہے۔ دبیر الملک، نجم الدولہ اور نظام جنگ جیسے خطابات شاہی دربار سے غالبؔ کو عطا کیے گئے۔ استاد شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ کے انتقال کے بعد بہادر شاہ ظفر کے استاد بھی مقرر ہوئے۔ ان کے والد مرزا عبداللہ بیگ خان ایک بہادر سپاہی تھے۔ مرزا غالبؔ کی والدہ کا نام عزت النسا تھا جو ایک معزز خاندان کی تعلیم یافتہ اور نیک دل خاتون تھیں۔ غالبؔ کا تعلق بھی ایک معزز خاندان سے

تھا۔ غالبؔ خود کو پُشنگی اور افراسیابی کہتے تھے۔ پشنگ افراسیاب کے باپ کا نام تھا۔ افراسیاب قدیم ترکستان یا تورانی قبائل کا ایک معروف اور طاقتور شخص تھا۔ غالب اپنے آبائی سلسلہ سلجوقی بادشاہوں سے ملتا تھا۔ غالب تاعمر اپنے اس خاندانی سلسلے پر نازاں رہے۔

وہ خود اپنے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔:

''وہاں ہماری حویلی تھی لیکن بعد میں اسے لکشمی چند سیٹھ نے خرید لیا۔ اس گھر کے دروازے پر ایک بہت بڑا سا پتھر سے بنا کمرہ تھا جس میں 12 دروازے ہونے کی وجہ سے وہ بہت ہوادار تھا۔ بیٹھنے کے لیے وہ میری پسندیدہ جگہ تھی۔ اس کے پاس ہی 'کھٹیا والی حویلی' تھی اور سلیم شاہ کی بیٹھک کے بعد ایک دوسری حویلی تھی۔ 'کالا محل' سے سٹی ہوئی ایک اور حویلی تھی اور اس کے بعد ایک 'کٹرا' (بازار کی جگہ مربع شکل میں) تھا۔ یہ جگہ چرواہوں کے لیے جانی جاتی تھی وہ اپنے اونی کمبل وہاں بیچتے تھے۔ ایک اور بازار کی جگہ تھی جسے کشمیر والا کے نام سے مشہور تھا اور یہ ان گھروں میں سے ایک کی چھت پر تھا جہاں میں پتنگیں اڑاتا تھا۔ میں بنارس کے راجا چیت سنگھ کے بیٹے راجا بلونت سنگھ کے ساتھ پتنگ بازی کرتا تھا وارن ہیسٹنگس نے ان کی حکومت بہت غلط طریقے سے ہتھیالی تھی۔''

بہت کم عمری میں ہی غالب کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ خان نے ان کی پرورش کی۔ مرزا غالب جب صرف 8 سال کے تھے تو ان کے چچا کا بھی انتقال ہو گیا۔ لوہارو کے نواب احمد بخش خان کو مرزا نصر اللہ بیگ خاں کی موت سے بہت تکلیف ہوئی اور اس یتیم بچے پر انہیں بہت افسوس ہوا جو بالکل بے یار و مددگار ہو گیا تھا۔ انہوں نے لارڈ لیک سے التجا کی اور ان کے لیے وظیفے کا انتظام کرایا۔ یہ وظیفہ مرزا نصر اللہ بیگ کے رشتہ داروں کو دی جاتی تھی۔ پانچ ہزار روپے کے سالانہ وظیفے میں سے غالب کو 750 روپے ملتے تھے۔ درحقیقت اس وقت کے حساب سے یہ ایک بڑی رقم تھی۔ بعد میں یہی وظیفہ جب انگریزوں نے بند کر دیا تو غالب کو اس کے لئے کلکتہ کا سفر کرنا پڑا تھا۔

آگرہ میں مرزا اسد اللہ خاں نے مولوی محمد معظم اور ایک ایرانی ملاّ عبدالصمد سے فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ ان پر ان کے استادوں سے زیادہ ان کے ماحول کا اثر ہوا۔ مرزا نے جہاں اپنا بچپن گزارا اس کا نام گلاب خانہ تھا۔ اس وقت وہ جگہ فارسی زبان کا مرکز تھا۔ والد اور چچا کی سرپرستی سے محروم ہونے کی وجہ سے غالب نوجوانی کی موج مستی میں ڈوب گئے۔ انہیں روکنے والا کوئی نہیں تھا اور اس کا ذکر ان کی تحریروں میں ملتا ہے۔ 13 سال کی عمر میں مرزا کی شادی 11 سال کی امراؤ جان سے ہوئی۔ وہ نواب احمد بخش خان کے چھوٹے بھائی الٰہی بخش خان 'معروف' کی بیٹی تھیں۔ ان دنوں بہت کم عمری

میں ہی شادی کر دی جاتی تھی۔ اپنی شادی کے بعد غالب ہمیشہ کے ء لیے دہلی آ بسے۔ اپنی شادی کے متعلق غالب نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے ''میرے پاؤں میں ایک زنجیر ڈال دی گئی اور دہلی میرے لیے زنداں خانہ ہوگئی۔''

غالب نے ہمارے ملک میں فارسی شاعری کو بلندیاں عطا کیں۔ یہ مرزا غالب ہی تھے جنھوں نے اردو نثر اور اردو شاعری کو قدیم روایتوں سے آزاد کیا اور اسے نئی بنیاد عطا کی۔ بہتوں نے غالب کی نقل کرنے کی کوشش کی لیکن کسی کو بھی اس میں کامیابی نہیں ملی۔ مرزا کی سات اولادیں ہوئیں ان میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی لیکن ان میں سے کوئی بھی ۱۵ مہینوں سے زیادہ نہیں جیا۔ انہوں نے اپنی بیوی کے بھتیجے کو گود لے لیا۔ وہ بھی مرزا کے انتقال سے پہلے ہی 1852 میں فوت ہو گئے۔ 15 فروری 1869 کی سہ پہر میں مرزا غالب کا انتقال ہو گیا۔ دہلی کے بستی حضرت نظام الدین میں تدفین ہوئی۔

3.3.1 غالب کا عہد

مرزا غالبؔ کا تعلق جس عہد سے ہے ہندوستان کی تاریخ میں اس دور کو سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ 1857ء میں مغلیہ سلطنت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ اس کی جگہ انگریز ہندوستان کے حکمراں بن بیٹھے۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی مشرقی تہذیب دم توڑنے لگی تھی۔ انگریزوں کے ساتھ مغربی تہذیب بھی آئی۔ دو قوموں کی دو تہذیبیں باہم متصادم ہوئیں۔ مرزا غالبؔ اس دور کے سماجی و معاشی اور تہذیبی حالات کی تبدیلی کے عینی شاہد تھے۔ غالبؔ مشرقی تہذیب کے دل دادہ تو ضرور تھے، لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کی روز بروز بڑھتی سیاسی اثر و رسوخ سے اوروں کی طرح وہ بھی فکر مند تھے۔ اور انگریزوں کی بڑھتی طاقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لیے غالبؔ انگریزوں کے سامنے سرنگوں تو نہ ہوئے لیکن ان سے کسی حد تک مرعوب ضرور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب بھی کسی حد تک یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ انگریزوں کی حکومت میں ہی عافیت ہے۔

مشہور ترقی پسند نقاد پروفیسر سید احتشام حسین نے غالب کے عہد کو ''قدیم دلّی کی آخری بہار'' قرار دیا ہے۔ غالب سے ٹھیک پہلے کا زمانہ میر و مرزا کا زمانہ تھا۔ یعنی دلّی میں خدائے سخن میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا اور میر درد جیسے بڑے شاعر موجود تھے۔ غالب کا عہد نہ صرف سیاسی اور سماجی اعتبار سے ہنگامہ خیز تھا بلکہ ادبی لحاظ سے بھی عہد غالب بہت ہنگامہ خیز تھا۔ بادشاہ وقت خود اردو کے بڑے شاعر تھے۔ لال قلعہ اپنی عظمتوں کو سمیٹے ہوئے آخری سانسیں گن رہا تھا۔ غالب 1857 کی تباہیاں دیکھنے کے لئے زندہ تھے۔ مرزا غالب جیسا حساس اور ذہین شخص صرف دلّی کو مٹتے ہوئے نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ وہ کئی سو سال کی تاریخ کو مٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ غالب نے اپنی آنکھوں سے سلطنت مغلیہ کو مٹتے ہوئے دیکھا۔ جہاں تک اردو شاعری کی بات ہے تو وہ میر اور سودا کے ہاتھوں

معراج کو پہنچ چکی تھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ غالب نے اپنی فکر سے اردو شاعری کو مزید ترقی عطا کی۔

3.3.2 غالب کے معاصرین، مومن، ذوق، ظفر اور شیفتہ

نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ، مولانا فضل حق خیر آبادی، مفتی صدر الدین آزردہؔ، مولانا امام بخش صہبائیؔ اور سر سید احمد خان جیسی عظیم شخصیات مرزا غالبؔ کے رفقا اور ان کے قدر شناس تھے۔ یہ سب کے سب علم دوست اور مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ کا شمار اس زمانے کے دانشوروں میں ہوتا تھا۔ وہ ایک زبردست عالم اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ شیفتہؔ مرزا غالبؔ کے ان مخلص دوستوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے مشکل حالات میں غالبؔ کی مدد کی اور تنگی و پریشان حالی میں مالی مدد بھی کیا کرتے تھے۔ مولانا فضل حق خیر آبادی عربی زبان وادب کے بڑے عالم تھے۔ اس زمانے کے دیگر علما بھی ان کی فقہی بصیرت کے قائل تھے۔ انگریزوں کے خلاف سب سے پہلے جہاد کا فتوا جاری کرنے کے جرم میں قید کر کے جزیرہ انڈمان نیکوبار بھیج دیے گیے جہاں 1861ء میں ان کی وفات ہوئی۔ فضل حق خیر آبادی کی صحبت سے مرزا غالبؔ بہت مستفیض ہوئے۔ وہ بھی وقتاً فوقتاً مرزا غالبؔ کو شاعری سے متعلق مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ آسان شعری اسلوب وتراکیب اور عام فہم زبان و بیان کے استعمال سے متعلق ہدایات دیتے رہتے تھے۔ ان کے سمجھانے پر ہی مرزا غالبؔ مشکل گوئی سے سہل گوئی کی طرف لوٹے اور اپنا دیوان از سر نو مرتب کیا تھا۔

مفتی صدر الدین آزردہؔ مرزا غالبؔ کے ان دوستوں میں سے ہیں جن سے غالبؔ کو محبت اور عقیدت تھی۔ پوری زندگی ان کے آزردہؔ سے دوستانہ مراسم قائم رہے۔ سر سید احمد خان غالبؔ کے ان ہم نشینوں میں سے ایک ہیں جو غالب کے علمی قدر شناسی اور ان کی شاعری کے قائل تھے۔ ان کی نظر میں مرزا غالبؔ کی بڑی اہمیت وعزت تھی۔ سر سید احمد خاں نے اپنی دو کتابوں پر غالبؔ سے تقریظیں لکھوائیں۔ انہوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''آثار الصنادید'' میں دہلی کی جن اہم شخصیات کا تذکرہ کیا ہے ان میں غالبؔ کا بھی نمایاں طور پر ذکر کیا ہے۔ جن شخصیات سے غالب کے دوستانہ تعلقات تھے ان میں حضرت امیر مینائی، نواب علی اکبر خان، مولوی سراج الدین احمد شیخ اور امام بخش ناسخؔ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ان شخصیات سے غالب کے گہرے مراسم زندگی بھر رہے۔

لکھنو میں غلام ہمدانی مصحفی، خواجہ حیدر علی آتش اور شیخ امام بخش ناسخ جیسے شاعر بھی کسی حد تک مرزا غالب کے ہم عصر تھے۔ لیکن ادھر دہلی میں جن شعرا کے دم سے شعر وادب کی محفلوں میں رونق تھی ان

میں غالب کے علاوہ مومن، ذوق، شیفتہ اور ظفر کا نام ہی سب سے اہم ہے۔ شاہ نصیر، استاد شیخ محمد ابراہیم ذوق، بہادر شاہ ظفر اور مومن خاں مومن مرزا غالب کے نام ور معاصرین شعرا ہیں۔ یہ سب کے سب دہلی کے اساتذہ شعر و سخن تھے۔ تمام تر ادبی چپقلش کے باوجود وہ سب ایک دوسرے کے قدر داں تھے۔ استاد ذوق بہادر شاہ ظفر کے دربار سے وابستہ تھے۔ قصیدہ گوئی کی طرف انہوں نے خاص توجہ دی۔ ان کے قصائد بے حد مقبول ہوئے۔ قصیدہ گوئی کی وجہ سے ہی استاد ذوق کو شہرت دوام ملی۔ شاہ نصیر اور مومن متصوفانہ مزاج کے حامل تھے۔ ان کی شاعری میں تصوف کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ مرزا غالب جب آگرہ سے منتقل ہو کر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے تو ابتداً انہیں توجہ نہیں دی گئی، ان کی شاعری کو سنجیدگی سے کسی نے نہیں لیا لیکن مرزا غالب بہت جلد ہی اپنی فطری صلاحیت اور شعری مہارت کو تسلیم کروانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے ہم عصروں نے بھی ان کے فن کا لوہا مان لیا۔

مومن خاں مومن کے آبا و اجداد کشمیری مسلمان تھے۔ ان کے خاندان نے روزگار کی تلاش میں کشمیر سے دہلی کا سفر کیا اور یہاں آ کر شاہ عالم کے دربار سے وابستہ ہو گئے۔ مومن کی پیدائش دہلی کے محلّہ کوچہ چیلان میں 1800ء میں ہوئی۔ ان کے والد غلام نبی خاں ایک حکیم تھے۔ شاہ عبدالقادر کے مدرسے سے تعلیم حاصل کی۔ انہیں اردو کے علاوہ عربی اور فارسی زبانوں پر بھی قدرت حاصل تھی۔ ان کا موروثی پیشہ طِب تھا جس میں انہوں نے کم عمری میں ہی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اسی وجہ سے انہیں 'حکیم خان' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ مومن کو علمِ نجوم، ریاضی، شطرنج اور موسیقی میں بھی بہت دلچسپی تھی۔ تاہم ان کا زیادہ جھکاؤ شاعری کی طرف ہونے کی وجہ سے بہت جلد ہی انہوں نے ایک کامیاب شاعر کے طور پر شہرت حاصل کر لی۔ مومن ایک زندہ دل، خوش طبع اور عاشق مزاج انسان تھے۔ ۔ غالب، شیفتہ، مولوی فضل حسن اور حکیم احسن اللہ خاں مومن کے احباب میں سے تھے۔ انہوں نے رامپور، جہانگیر آباد، سہارن پور، جھجھر اور فیروز پور وغیرہ کا سفر کیا تھا۔ ان کے کلیات میں قصائد، مثنویات، رباعیات اور قطعات وغیرہ شامل ہیں جسے 1843 میں شیفتہ نے مرتب کیا۔ مومن کا فارسی دیوان بھی ہے۔ انہوں نے عروض کے اہم نکات بھی قلمبند کیے ہیں۔ 1823ء میں ان کی شادی ایک زمیندار گھرانے میں ہوئی۔ ان کی دو اولادیں تھیں ایک بیٹا احمد ناصر خان اور ایک بیٹی محمدی بیگم۔ 52 سال کی عمر میں 14 مئی 1852ء میں ان کا انتقال اپنے مکان کی چھت سے گرنے سے ہوا۔ مومن کی اہلیہ انجمن النساء بیگم مشہور شاعر اور صوفی خواجہ میر درد کی رشتہ دار تھیں۔ درد کی محفل اور شخصیت کا جو اثر مومن پر ہوا اس کی جھلک ہمیں ان کے کلام میں ملتی ہے۔

شیخ محمد ابراہیم ذوق آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے استاد تھے۔ سنہ 1787 میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام شیخ محمد رمضان تھا۔ بچپن میں حافظ غلام رسول سے تعلیم حاصل کی۔ ڈاکٹر

سید اعجاز حسین اپنی کتاب ''مختصر تاریخ ادب اردو'' میں لکھتے ہیں: حافظ غلام رسول شاعر بھی تھے۔ وہیں سے ذوق کو بھی شعر گوئی کا شوق ہوا۔ اور حافظ جی سے اصلاح لینے لگے۔ بعد میں شاہ نصیر کو دکھانے لگے۔ رفتہ رفتہ مشق سخن نے ذوق کو استاد بنا دیا۔ یہاں تک کہ ولی عہد سلطنت بھی ذوق سے اصلاح لینے لگے۔ ذوق نے صرف بیس سال کی عمر میں بادشاہ کی تعریف میں جو قصیدہ لکھا اس پر ان کو 'خاقانیٔ ہند' کا خطاب ملا۔ انھوں نے بہت سے قصیدے کہے جن پر ان کو جاگیر میں گاؤں بھی ملے اور خلعت و خطاب بھی عطا ہوا۔ سودا کے بعد ان کو اردو کا سب سے بڑا قصیدہ گو سمجھا جاتا ہے۔ ذوق کے کلام میں قصائد کے علاوہ زیادہ تر غزلیں ہیں۔

ذوق کی زبان دانی کے بھی بہت چرچے رہے ہیں۔ ان کے بے شمار شاگرد بھی تھے۔ جن شاگردوں کو بہت شہرت ملی ان میں ظفر، آزاد، داغ، انور، ظہیر، معروف اور ویران وغیرہ کا نام اہم ہے۔ مہاراجہ چندو لال شاداں نے استاد ذوق کو حیدر آباد بلایا تھا لیکن وہ نہیں گئے۔ اس سلسلے میں ذوق کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

گر چہ ہے ملک دکن میں ان دنوں قدر سخن
کون جاوے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

سنہ 1854 میں ذوق کا انتقال ہوا۔ کہتے ہیں کہ مرنے سے تین گھنٹے پہلے یہ شعر کہا تھا:

کہتے ہیں آج ذوق جہاں سے گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر خود بہت اچھے شاعر تھے۔ اپنی ولی عہدی کے زمانے میں وہ اپنی شاعری پر پہلے شاہ نصیر اور پھر استاد ذوق سے اصلاح لیتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر اپنی نوجوانی میں ہی بطور شاعر مشہور ہو چکے تھے۔ مشہور ترقی پسند نقاد پروفیسر سید احتشام حسین اپنی کتاب 'اردو ادب کی تنقیدی تاریخ'' میں لکھتے ہیں۔ ''بہادر شاہ کی زندگی ایک برائے نام بادشاہ کی زندگی تھی۔ بادشاہت کا جاہ و جلال کھو کر انھوں نے شاعری میں اپنے لئے ایک رفیع مقام بنا لیا۔ اور ایک ناکام بادشاہ ہوتے ہوئے وہ ایک کامیاب شاعر بن گئے۔ ایام شباب میں ہی انھوں نے شاعری میں نام پیدا کر لیا تھا۔''

بہادر شاہ ظفر پہ ایک الزام یہ لگایا گیا کہ وہ خود شعر نہیں کہتے تھے بلکہ ان کے استاد ذوق شعر کہہ کر ظفر کو دے دیتے تھے۔ لیکن بعد میں تمام محققین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ظفر خود شعر کہتے تھے۔ ذوق اور ظفر کا شعری اسلوب الگ ہے۔ دونوں کی شاعری کا رنگ جدا ہے۔ ظفر کی شاعری میں جو سوز و گداز ہے وہ انھیں کا حصہ ہے۔ ان کے کلام میں رنج و غم کی ایک کیفیت پائی جاتی ہے۔ ان کی

شاعری میں غم کی جولہر ہے وہ ان کی آپ بیتی معلوم ہوتی ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے چار دیوان شائع ہوئے ہیں۔تصوف اور اخلاقی اقدار کے علاوہ عشقیہ کلام سے بھی ان کے دیوان لبریز ہیں۔انھوں نے کچھ مذہبی نظمیں بھی لکھی ہیں لیکن انھیں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے وہ ایک غزل کے شاعر کی حیثیت سے ہی ہے۔ان کی شاعری میں ان کی اپنی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔

نہ کسی کی آنکھ کونور ہوں، نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں
نہ ظفر کسی کا حبیب ہوں، نہ ظفر کسی کا رقیب ہوں
جو بگڑ گیا وہ نصیب ہوں، جو اجڑ گیا وہ دیار ہوں

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کے والد نواب مرتضیٰ خاں ہوڈل پلول کے علاقے کے زمیندار تھے۔انھوں نے لارڈ لیک کے ساتھ مل کر بہت بڑے بڑے کام کیے تھے جس کے صلے میں انھیں جاگیریں ملی تھیں۔ بلند شہر کے پاس جہانگیر آباد کا علاقہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ نے خرید لیا تھا۔نواب مصطفیٰ خاں کی پیدائش دہلی میں سنہ 1806 میں ہوئی اور وہ 1857 کے انقلاب تک دہلی میں ہی رہے۔ اس کے بعد اپنے علاقے جہانگیر آباد میں مقیم رہے۔نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کو شعر وسخن سے ازلی مناسبت تھی۔قادر الکلام، پر گو شاعر تھے۔فارسی میں حسرتی اور اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔رام بابو سکسینہ نے لکھا ہے کہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ فارسی میں غالب سے اور اردو میں مومن سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔نواب صاحب کے گھر پر ہفتہ میں ایک بار مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔جس میں غالب اور مومن کے علاوہ امام بخش صہبائی، مفتی صدرالدین خاں آزردہ، ذوق، شاہ نصیر، تسکین، حکیم آغا جان عیش وغیرہ شریک ہوا کرتے تھے۔

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ کی تصانیف میں ایک فارسی دیوان اور ایک اردو دیوان موجود ہے۔ایک سفر نامہ اور ایک مجموعۂ انشائے فارسی بھی ان کی یادگار ہیں۔لیکن سب سے زیادہ شہرت ان کے تذکرے کو ملی۔ یہ تذکرہ ''گلشن بے خار'' ان کی یادگار ہے جو زبان فارسی میں شعرائے اردو کا تذکرہ ہے۔ اسی تذکرے کے سبب شیفتہ اردو اور فارسی شاعری کے اعلیٰ درجہ کے نقاد اور سخن سنج سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا تذکرہ 'گلشن بے خار' ایک مبسوط اور مشہور تصنیف ہے۔

3.3.3 غالب اوران کے معاصرین کانمونہ کلام

غزل

حکیم مومن خاں مومن

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
اڑتے ہی رنگ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغ پرشکستہ کی پرواز دیکھنا
دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکت آواز دیکھنا
دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا
بدکام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا
مت رکھیو گرد تارک عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سرافراز دیکھنا
میری نگاہ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بےطاقتی پہ سرزنش ناز دیکھنا
ترک صنم بھی کم نہیں سوز جحیم سے
مومنؔ غم مآل کا آغاز دیکھنا

محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے
کہا جو ڈر ہے مجھے ایسی مہربانی سے
یہی ہے شکر کی دل کی نظر تو روشن ہے
نظر تو خیرہ ہوئی برق لن ترانی سے
ہزار باتیں بناؤ ملے ہو غیر سے تم
نشان ہم کو ملا گم ہوئی نشانی سے
محبت اس خفگی سے عیاں ہے ائے گلرو
کہ رنگ لطف ٹپکتا ہے بد گمانی سے

میں سادگی سے بیاں کر رہا ہوں وصف دہن
وہ ہونٹ کاٹتے ہیں اپنی نکتہ دانی سے
کسی کی نرگس میگوں نے کھو دئے ہیں ہوش
یہ بے خودی نہیں صہبائے ارغوانی سے
بھڑک گئی نم شبنم سے اور آتش گل
یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے
وہاں تو شیفتہ مطلوب ہے خوش افغانی
نہ نکتہ دانی سے کچھ ہو نہ خوش بیانی سے

بہادر شاہ ظفر

رات بھر مجھ کو غم یار نے سونے نہ دیا
صبح کو خوف شب تار نے سونے نہ دیا
شمع کی طرح مجھے رات کٹی سولی پر
چین سے یاد قد یار نے سونے نہ دیا
یہ کراہا ترا بیمار الم درد کے ساتھ
کسی ہم سایہ کو بیمار نے سونے نہ دیا
ائے دل آزار تو سویا کیا آرام سے رات
مجھے پل بھر بھی دل زار نے سونے نہ دیا
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں نگہبانوں کو
میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا
یاس وغم رنج وتعب میرے ہوئے دشمن جاں
ائے ظفر شب انھیں دو چار نے سونے نہ دیا

شیخ محمد ابراہیم ذوق

کسی بےکس کو اے بیداد گر مارا تو کیا مارا
جوآپ ہی مر رہا ہو اس کو گر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
نہ مارا آپ کو جو خاک ہو اکسیر بن جاتا
اگر پارے کو اے اکسیر گر مارا تو کیا مارا
ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ اے بے خبر مارا تو کیا مارا
مرے آنسو ہمیشہ ہیں برنگ لعل غرق خوں
جو غوطہ آب میں تو نے گہر مارا تو کیا مارا
گیا شیطان مارا ایک سجدے کے نہ کرنے میں
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا
دل بد خواہ میں تھا مارنا یا چشم بدبیں میں
فلک پر ذوق تیر آہ گر مارا تو کیا مارا

مرزا اسداللہ خاں غالب

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
ڈرے کیوں میرا قاتل ؟ کیا رہے گا اس کی گردن پر
وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھر یوں دم بہ دم نکلے
نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے، لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے
مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے
کہاں مے خانے کا دروازہ غالب اور کہاں واعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

3.4 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے

- مرزا اسداللہ خاں غالب کے حالات اور ان کے فن کے بارے میں جانکاری حاصل کی۔

- مرزا غالب کے عہد اور ہم عصروں سے واقف ہوئے۔
- غالب، ظفر، ذوق، شیفتہ اور مومنؔ کے کلام کی قدر و قیمت متعین کی۔
- غالب کے علاوہ مومن، ذوق، ظفر اور شیفتہ کے کلام کا مطالعہ کیا۔

3.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ غالب کے عہد کے چار بڑے شاعروں کے نام بتایئے۔
2۔ غالب کے ایک اہم معاصر مومنؔ کے کلام کی پانچ خصوصیات بتایئے۔
3۔ مرزا غالب کا اصل نام کیا تھا اور انھیں کن کن خطابات سے نوازا گیا تھا؟
4۔ مرزا غالب کے کچھ نثری تصانیف کے نام بتائیں۔
5۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ فارسی میں کیا تخلص کرتے تھے اور ان کے تذکرے کا کیا نام ہے؟

3.6 سوالات کے جواب

1۔ **غالب** کے عہد کے چار بڑے شاعروں کے نام یہ ہیں:
ذوق، مومن، بہادر شاہ ظفر، شیفتہ۔

2۔ مومنؔ کے کلام کی پانچ خصوصیات یہ ہیں:

1۔ خالص عشقیہ موضوعات پر شاعری کی ہے۔

2۔ ان کی شاعری روایتی اور رسمی انداز کی حامل ہونے کے باوجود تغزل سے پُر ہے۔

3۔ مومنؔ جمال پرست شاعر تھے۔ انہیں تصور کی تصویر بنانے کی صلاحیت حاصل تھی۔ ان کی غزلوں میں بانکپن، نکھار، رنگینی اور رچاؤ پایا جاتا ہے۔

4۔ مومنؔ کی شاعری کو مکر شاعرانہ بھی کہا گیا ہے۔

5۔ ان کی شاعری وارداتِ عشق اور تجرباتِ محبت کی شاعری ہے۔

3۔ غالب کا نام خواجہ اسداللہ بیگ خاں تھا۔ گھر پر مرزا نوشہ کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ مغل دربار کی طرف سے نجم الدولہ، دبیر الملک، اور نظام جنگ کے خطابات حاصل تھے۔

4۔ مرزا غالب کی نثری تصانیف میں عود ہندی، مہر نیم روز اور دستنبو وغیرہ اہم ہیں۔

5۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔ ان کے تذکرے کا نام ''گلشن بے خار'' ہے۔

3.7 فرہنگ

لفظ	معنی
غمزہ	آنکھوں کا اشارہ
غمّاز	سخن چین، چغلی کرنے والا
رنگِ رخ	چہرے کا رنگ
نہاں	غائب
مرغِ پرشکستہ	ٹوٹے ہوئے پروں والا پرندہ
پرواز	اڑان
دشنام	گالی، برا بھلا
طبعِ حزیں	غمزدہ دل
گراں	ناگوار، بھاری
منجم	نجومی
رقیب	دشمن، حریف
سازگار	موافق
طالعِ ناساز	خراب مقدر
مآل	انجام
سپہر	آسمان
تفرقہ انداز	جھگڑا پیدا کرنے والا، جدائی دینے والا
تارک	ترک کرنے والا
سرفراز	بلند مرتبہ
پامال	روندا ہوا
کشتہ	مارا ہوا
اعجاز	معجزہ
سوزِ جحیم	دوزخ کی آگ کی جلن

3.8 کتب برائے مطالعہ

1۔	رام بابو سکسینہ،	تاریخ ادب اردو	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2007
2۔	احتشام حسین	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 1997
3۔	شمس الرحمٰن فاروقی (خاکہ)	درس بلاغت	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 1997
4۔	اختر انصاری	غزل اور درس غزل	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1977
5۔	اختر انصاری	غزل اور غزل کی تعلیم	ترقی اردو بورڈ، نئی دہلی، 1995
6۔	ڈاکٹر عبادت بریلوی	کلیات مومن	کتابی دنیا، کراچی، 1955
7۔	محمد حسین آزاد	آبِ حیات	اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، یو پی، 2003
8۔	شمیم طارق، غالب	بہادر شاہ ظفر اور 1857	غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی۔2008

اکائی 4 غالب کا شعری اسلوب

ساخت

4.1 اغراض ومقاصد

4.2 تمہید

4.3 اسلوب کیا ہے؟

4.4 غالب کا فن اور شخصیت

4.5 غالب کا شعری اسلوب

4.6 متن اور اس کی تشریح

4.7 آپ نے کیا سیکھا

4.8 اپنا امتحان خود لیجیے

4.9 سوالات کے جوابات

4.10 فرہنگ

4.11 کتب برائے مطالعہ

4.1 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ

- اسلوب کی تعریف اور اہمیت سے واقف ہوں گے
- غالب کے حالات زندگی اور فن سے متعارف ہوں گے
- غالب کے کلام کی خصوصیات سے واقف ہوں گے
- غالب کے ہم عصر شعراء سے واقف ہوں گے
- غالب کے نمائندہ کلام کے جملہ پہلوؤں کا تجزیہ کریں گے

4.2 تمہید

غالب ہمارے ادبی سرمایے کا اہم نام ہے۔ چاہے بات نثر کی ہو یا شاعری کی۔ غالب سے ہماری ملاقات اردو ادب کے ایک اہم تہذیبی و تاریخی موڑ پر ہوتی ہے۔ ایسا موڑ جہاں اور شعر و نثر فارسی تہذیب و ثقافت سے ہاتھ چھڑا کر اردو، ہندی یا ہندوستانی تہذیب کا دامن تھام رہے تھے۔ غالب کی عظمت یہی ہے کہ تاریخ کے اس موڑ پر غالب نے اپنی انفرادیت اور اپنے اسلوب کی مدد سے

اردو شعر ونثر کو ایک نیا وقار اور بلندی عطا کی۔ غالب کا شعری اسلوب اردو کے دیگر شعراء سے مختلف ومنفرد ہے۔ اپنے لب ولہجہ اور انداز بیان کی بناء پر غالب کا شعر سینکڑوں اشعار میں صاف پہچانا جاسکتا ہے۔ غالب کے اس منفرد شعری اسلوب کی تشکیل میں تجربہ ومشاہدہ کی قوت، اس کے حالات زندگی اور زبان کا خلاقانہ استعمال اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی لیے غالب فکر وفن، حالات زندگی اور شاعرانہ خصوصیات کا مطالعہ اردو ادب کے طالب علموں کے لیے ہمیشہ ہی توجہ کا مرکز رہے ہیں۔

4.3 اسلوب کیا ہے؟

اسلوب کو عام الفاظ میں طرز تحریر یا طرز نگارش کہا جاتا ہے۔ اسی کو انگریزی میں اسٹائل اور فارسی میں سبک بھی کہا جاتا ہے۔ ادب کی ہر صنف میں ادائی مطلب یا خیالات وجذبات کا ایک طریقہ یا اصول رائج ہوتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر صنف کے کچھ اجزائے ترکیبی بھی ہوتے ہیں۔ انہی اصول وضوابط کی روشنی میں ہر شاعر یا ادیب اپنے خیالات وجذبات کا اظہار کرتا ہے۔ ساتھ ہی ہر شاعر یا ادیب کی کچھ انفرادی خصوصیات بھی ہوتی ہیں۔ یہ انفرادیت دراصل اس شاعر یا ادیب کے علم، تجربے، مشاہدے، طرز زندگی اور طرز فکر سے تشکیل پاتی ہے۔ ان ہی کا عکس اس کی تحریروں میں جھلکتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض فن کار زبان و بیان کے حوالے سے بھی اپنی انفرادیت کا احساس دلاتے ہیں۔ طرز تحریر یا طرز نگارش کی انہی خصوصیات کو کسی ادیب یا شاعر کا اسلوب کہا جاتا ہے۔ جب کبھی ہمیں کوئی شعر سنا کر شاعر کی شناخت کے لیے کہا جاتا ہے اور ہم شاعر کی صحیح شناخت کر پاتے ہیں تو یہ دراصل شاعر کے اسلوب کی بناء پر ہوتا ہے۔ اسلوب ہی ہے جو شاعر اور اس کے کلام کو انفرادیت بخشتا ہے۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلوب ایک ایسا انداز بیان، طرز اظہار یا طرز ادا ہے جو دل نشین بھی ہو اور منفرد بھی۔

4.4 غالب کا فن اور شخصیت

مرزا اسد اللہ خاں غالب نے عبداللہ بیگ خاں کے گھر اکبر آباد (آگرہ) میں آنکھ کھولی جو فوج میں ملازم تھے۔ پانچ برس کی چھوٹی عمر میں یتیم ہوئے۔ تو چچا نصر اللہ بیگ خاں نے پرورش کا ذمہ اٹھایا۔ شومئی قسمت کہ نو برس کی عمر میں چچا کا انتقال ہوگیا۔ غالب پھر ایک بار بے سہارا ہوگئے۔ ۱۳ر برس کی عمر میں خاندان لوہارو سے تعلق رکھنے والے الٰہی بخش خان معروف کی بیٹی امراؤ بیگم سے شادی ہوگئی اور چودہ برس کی عمر میں غالب دہلی پہنچے۔ غالب کے اجداد کا پیشہ سپہ گری تھا۔ ان کے والد عبداللہ بیگ خاں دہلی میں شاہ عالم، لکھنو کے نواب آصف الدولہ، حیدر آباد کے نواب نظام علی خان اور الور کے راجہ بختاور سنگھ کے ہاں رسالدار کے طور پر ملازم رہے۔ خود ان کے چچا نصر اللہ بیگ

خاں اکبر آباد کے کے صوبہ دار تھے لیکن غالب نے اپنے قلم سے تلوار کا کام لیا۔ غالب خداددا صلاحیتوں کے مالک اور بلا کے جدت پسند تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حصول علم کے لئے کسی مکتب میں رسمی تعلیم حاصل کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ لیکن زبان و بیان پر قدرت، فکر کی بلند پروازی، معنی آفرینی، تخیل کی ندرت اور نئی نئی تراکیب کا استعمال سے ثابت ہوتا ہے کہ غالب نابغۂ روزگار شاعر ہے۔

غالب کی شاعری میں تصوف کے مضامین بھی جابجا پائے جاتے ہیں۔ تصوف غالب کے عہد کا ایک غالب رجحان رہا ہے لیکن غالب کا انداز دیگر شعراء سے بے حد مختلف و منفرد نظر آتا ہے۔ غالب کے لئے تصوف ایک مسلک نہیں بلکہ ایک روحانی تجربہ ہے اور غالب اس تجربے میں شریک ہوتے ہیں اسی لئے ان کے اشعار میں غالب کی ذات کا عکس بھی نظر آتا ہے۔ درج ذیل شعر میں ایک ایسا ہی عام فہم مضمون بیان کیا گیا ہے جو خدا کی ذات وصفات سے متعلق ہے لیکن دوسرے مصرعے میں ہمیں شاعر کی ذات کی موجودگی محسوس ہوتی ہے اور ہم بھی غالب کے تجربے میں برابر کے شریک ہوجاتے ہیں۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا نہ ہوتا کچھ تو خدا ہوتا
ڈبو یا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں ہلکا سا طنز یا شوخی ایک زیریں لہر موجود ہے۔ یہ شوخی بھی غالب کے مزاج کا حصہ ہے۔ غالب نے زندگی کے دشوار مراحل کو جس طرح ہنستے کھیلتے جھیلا ہے اس کا عکس ان کی شاعری میں بھی صاف جھلکتا ہے۔ یہ دراصل غالب کی زندہ دلی ہے جو اشعار میں بھی راہ پالیتی ہے۔ کسی شاعر کی شخصیت کا عکس ہی اس کے اشعار کو دوسروں سے مختلف و منفرد کرتا ہے اور اسی کو ہم کسی شاعر کا شعری اسلوب قرار دیتے ہیں۔ غالب کی شوخی کے چند نمونے دیکھتے ہیں۔

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھاکے بے مزہ نہ ہوا

عشق نے غالب نکما کردیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

ان مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ غالب کے فن اور شخصیت میں بے یکسانیت تھی۔ غالب نے حالات و حوادث زندگی کا مقابلہ زندہ دلی سے کیا۔ اپنے وقت کے رائج علوم کا مطالعہ عرق ریزی سے کیا۔

اپنے متاخرین کے کلام کا مطالعہ باریک بینی سے کیا اور ان سب کی روشنی میں اپنی الگ راہ نکالی۔ غالب کے لہجے اور شعری اسلوب کی تشکیل میں ان کی شخصیت کا کردار اہم رہا ہے۔ غالب کے معاصرین کے تذکرے کے بغیر ان کے فن و شخصیت کا جائزہ ادھورا رہے گا۔ غالب کے عہد میں انہیں معاصرین بھی ہم پلہ ملے۔ جن میں سب سے اہم محمد ابراہیم ذوق ہیں جن سے غالب کی معاصرانہ چشمک مشہور ہے۔ مومن خان مومن بھی عہد غالب کے ایک صاحب طرز شاعر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ اہم معاصرین میں مفتی صدرالدین آزردہ، میر مہدی مجروح، شیفتہ، ہرگوپال تفتہ اور حالی اہم ہیں۔ حالی کو غالب کی محبتیں بھی نصیب ہوئیں اور یادگار غالب کی شکل میں حالی نے غالب کی سوانح رقم کر کے اردو ادب عالیہ میں اہم اضافہ کیا۔ سرسید بھی غالب کے ہم عصر ہیں۔ جن کی کتاب آثار الصنادید کا دیباچہ انہوں نے غالب سے لکھوایا تھا۔ اسی دیباچے میں غالب نے سرسید کو ''مردہ پروردن مبارک کارینت'' کا مشورہ دیا۔ غالب کے اسی مشورے نے سرسید کی فکر کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

4.5 غالب کا شعری اسلوب

غالب کے کلام کی اصل خوبی اس کی جدت اور انوکھا پن ہے۔ غالب ایک ذہین فن کار ہے۔ وہ اپنی طرز نگارش کو شعوری طور پر اپنے متاخرین و متقدین سے جداگانہ اور منفرد رکھنے پر قادر ہے۔ وہ سامنے کی بات کو بھی اپنے خاص رنگ اور مزاج میں کہتے ہیں۔ ان کا ہر جذبہ، ہر تاثیر اور خیال دلکش ہوتا ہے۔ کیونکہ اپنے شعری اسلوب کی تشکیل میں غالب الفاظ و تراکیب اور تشبیہات و استعارات بہت سوچ سمجھ کر اور عام ڈگر سے ہٹ کر استعمال کرتے ہیں۔ غالب نے اردو غزل کو بے شمار نئے مضامین سے مالا مال کیا۔ حسن و عشق کے موضوعات میں جہاں سنجیدگی و متانت کا استعمال کیا وہیں شوخی و ظرافت کے بھی بے مثال نمونے پیش کیے۔ فارسی کے قدیم شعراء کے ہاں موجود بے شمار مضامین کو اپنے جدید اور انوکھے انداز میں اس طرح ڈھالا کہ وہ مستعار مضامین نہیں لگتے ہیں۔ رعایت لفظی اور سہل ممتنع استعمال کرتے ہوئے غالب عام مضامین کو بھی خیال آفرینی کے عروج پر پہنچا دیتے ہیں۔ زبان فارسی پر قدرت اور ہندوستانی تہذیب کے رچاؤ نے غالب کے کلام میں بندش الفاظ اور تراکیب کے استعمال کی ایسی جدت کا نمونہ پیش کیا ہے جس کا تتبع اور تقلید ہر عہد میں کی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ غالب کا دل ایک عاشق کا دل ہے اور ان کا دماغ ایک فلسفی کا دماغ ہے۔

عاشق کا دل جذبے کی تاثیر میں اضافے کا باعث بنتا ہے اور فلسفی کا دماغ ہر وقت جدت طبع کے مظاہرے پر اکساتا ہے۔ حسن و عشق غزل کے محبوب و پسندیدہ مضامین رہے ہیں۔ اردو غزل کا عاشق ہمیشہ ہی محبوب کے گرد پھیرے لگاتا نظر آتا تھا لیکن غالب کے ہاں پہلی بار یہ صورت بدلتی ہے اور محبوب کی جلوہ سامانیوں کا قائل ہوتے ہوئے بھی عاشق اپنی شخصیت کا نقش مرتب کرتا نظر آتا ہے ؎

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلہ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

یہ لہجہ اور یہ انداز اردو غزل کے لئے یکسر نیا تھا۔ غالب مضامین کے ساتھ ساتھ انداز بیان اور طرز ادا میں بھی ایک انقلابی تبدیلی کے نقیب تھے۔ جس کے باعث ان کے معاصرین کا ان سے رشک و حسد کرنا بھی واجب تھا۔ سنجیدگی و متانت کے ساتھ ساتھ شوخی و ظرافت بھی غالب کی شخصیت کا حصہ تھے اور اسی لئے ان کے شعری اسلوب میں بھی شوخی و ظرافت کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ اسی لئے اگر ایک جگہ غالب کی طبیعت عشق سے زیست کا مزا پاتی ہے تو دوسری جانب وہ عشق کو دماغی خلل بھی قرار دیتا ہے۔ غالب کا کمال یہی ہے کہ اسے ہر طرح کے مضامین کی ادائیگی کا سلیقہ اور قدرت بھی حاصل ہے۔ اسے اپنی اس خوبی کا احساس بھی ہے اور وہ اسے خوش طبعی سے بیان کرنے کا ہنر بھی جانتا ہے ۔ملاحظہ فرمائیں ؎

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر جو تھا رازداں اپنا

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے
کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

سیدھے سادے اور عام الفاظ و تراکیب کا استعمال کرتے ہوئے رعایت لفظی کی خوبصورت مثالیں بھی غالب کی شاعری میں خوب ملتی ہیں۔ جہاں اشعار میں کہیں کوئی مشکل لفظ یا ترکیب نہیں ہوتی لیکن خیال اور جذبہ طرز اظہار کی بلندی پر نظر آتے ہیں ؎

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

غالب کی طرز ادا میں جو شوخ نگاری پائی جاتی ہے وہ ہمیں کسی اور شاعر کے کلام میں نہیں ملتی۔ یہ شوخی عام مضامین سے لے کر سنجیدہ بلکہ فلسفیانہ مضامین کی ادائیگی میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ اسے غالب کے اسلوب کا ایک اہم عنصر مانا جاتا ہے۔ اس شوخی کا معیار بہت بلند ہوتا ہے۔ اس میں عشقیہ مضامین بھی شامل ہوتے ہیں اور زندگی کے مسائل بھی۔

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیئے غیر تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

غالب سے قبل اردو غزل حسن و عشق کے مضامین سے بھری پڑی تھی۔ اس میں حکمت و اخلاق کے مضامین کم کم ہی پائے جاتے تھے۔ جب بھی غزل میں ایسے مضامین کا بیان کیا گیا غزل کی فضاء بوجھل لگنے لگتی تھی۔ خود غالب کے بعض معاصرین کے ہاں ایسے حکیمانہ و اخلاقی مضامین ملتے ہیں۔ لیکن روکھے پھیکے لگتے ہیں۔ غالب نے ان مضامین کو رمز و ایماء کی زبان میں بیان کیا ہے۔ اگرچہ کہ اس دوران بعض مضامین پر فلسفیانہ اور ادق ہونے کا گمان ہوتا ہے لیکن غالب کے اسلوب کی لطافت اور طرز ادا کی جدت ایسے اشعار کو بھی مقبول عام اشعار کا درجہ دلاتی ہے۔

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا
رنج سے خوگر ہو انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہوگئیں

وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے
مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

غالب کے اسلوب کی خصوصیات میں سے ایک ان کی تشکیک پسندی بھی ہے جو غالب کے کلام میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ تشکیک پسندی دراصل غالب کو اپنے عہد کی دین ہے۔ان کا فلسفیانہ مزاج اس میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ غالب جس عہد میں سانس لے رہے تھے وہاں ایک تہذیب روبہ زوال ہورہی تھی اور اس کی جگہ ایک نئی تہذیب اپنی جڑیں تلاش کررہی تھی۔ غالب روبہ زوال تہذیب کے پروردہ تھے لیکن نئے زمانے کی آہٹ سے بے بہرہ بھی نہیں۔

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کو بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

تصوف غالب کے عہد کا ایک اہم رجحان تھا۔مغرب میں جو درجہ سائنسی علوم کو حاصل تھا مشرق میں تصوف کو وہی درجہ حاصل تھا۔تصوف اردو اور فارسی شعریات میں ایک نئی فضاء اور نئے آسمان سے عبارت تھا۔دہلی کے قدیم معاشرے کے پروردہ غالب اپنی جوانی کے ایام میں سرکار انگلشیہ کے حضور اپنی وراثت کے مقدمے کے سلسلے میں کلکتہ پہنچے تھے۔ جہاں انہوں نے سائنس اور صنعتی انقلاب کے جلوؤں کا اپنی آنکھوں سے نظارہ کیا تھا۔تصوف غالب کو لکیر کا فقیر نہیں بناتا ہے بلکہ مشاہدے کی قوت اور دیدۂ بینا کو بیدار کرنے پر اکساتا ہے۔

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے

حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

قطرے میں دریا دکھائی نہ دے اور جز میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

وا کردیئے ہیں شوق نے بند نقاب حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

غالب اپنے مضامین ہماری روزمرہ کی زندگی سے اٹھاتے ہیں۔ اور ان ہی کو مکالمے یا گفتگو کی صورت ہم تک پہنچاتے ہیں۔ ان کے اشعار کے معنی کے کئی پرتیں ہوتی ہیں اور کئی میں ایک گہرا فلسفہ بھی۔ لیکن یہ اشعار اپنی طرز ادا اور خیال آفرینی کے باعث سامنے کے معنی سے بھی قاری کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ غالب اپنے عہد کے نباض بھی ہیں اور ان کی نگاہ اپنے عہد سے آگے بھی دیکھتی ہے۔ وہ قدامت پسند بھی ہیں اور نئے موسموں کے واقف کار بھی۔

5.6 متن اور اس کی تشریح

غزل

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ مرے آگے
اک کھیل ہے اورنگ سلیماں مرے نزدیک
اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے
جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور
جز وہم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرا مرے ہوتے
گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے
مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تیرے پیچھے
تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے
سچ کہتے ہو، خود بیں و خود آرا ہوں، نہ کیوں ہوں

بیٹھا ہے بت ، آئینہ سیما مرے آگے
پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار
رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبا مرے آگے
نفرت کا گماں گزرے ہے میں رشک سے گزرا
کیونکر کہوں لو نام نہ ان کا مرے آگے
ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
عاشق ہوں پہ معشوق فریبی ہے مرا کام
مجنوں کو برا کہتی ہے لیلا مرے آگے
خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مرنہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے
گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
ہم پیشہ و ہم مشرب و ہم راز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

تشریح :

بازیچہ اطفال ہے ..... تماشا مرے آگے

بازیچہ اطفال یعنی بچوں کا کھیل۔شاعر کی نظروں میں دنیا بچوں کا کھیل ہے۔بچوں کا کھیل جو عارضی ہوتا ہے، جو ناپائیدار ہوتا ہے اور ختم ہونے والا ہے۔شاعر کے نزدیک وہ دنیا کی حقیقت کو جان چکا ہے۔وہ بھی اوروں کی طرح دنیا کو اہم تصور کرتا تھا لیکن اسے پتہ چل چکا ہے کہ دنیا نہایت عارضی، ناپائیدار اور فانی شئے ہے۔وہ اسے اس لئے بھی سنجیدگی سے نہیں لیتا کہ یہ عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ شب و روز یعنی دن رات یعنی ہمیشہ دنیا اپنے اسی مزاج پر قائم رہتی ہے۔ بازیچہ اطفال یعنی کھیل کے ساتھ ''تماشا'' کی ردیف طرز اظہار کی ندرت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اک کھیل ہے اورنگ سلیماں ..... مسیحا مرے آگے

یہ ایک تلمیحی شعر ہے۔اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اڑنے والے تخت کا ذکر ہے اور دوسرے مصرعے میں حضرت عیسیٰؑ کے اس معجزے کا جس میں وہ قم کہہ کر مردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔شاعر کے نزدیک یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے کیونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ جب انسان اپنے کردار کی معراج پر پہنچتا ہے تو قدرت اسے ایسے معجزوں سے نوازتی ہے۔شاعر قدرت کے اس رمز کو

جان چکا ہے اسی لئے وہ اورنگ سلیماں کو ایک کھیل اور اعجاز مسیحا کو محض ''اک بات'' قرار دیتا ہے۔

جز نام نہیں ..... اشیاء مرے آگے

صورت عالم یعنی دنیا کی صورت۔ یہاں شاعر کہتا ہے کہ اس کے نزدیک دنیا محض ایک نام ہے۔ نام سے زیادہ کی حیثیت اسے منظور نہیں۔ عام فہم انداز میں کہا جائے تو شاعر کے نزدیک یہ دنیا نام کی دنیا ہے اور اس میں موجود اشیاء اس کے لئے محض ایک وہم کا درجہ رکھتی ہیں جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ حاصل شعر یہ ہے کہ ذات خداوندی کے سوا شاعر کسی چیز کو موجود نہیں سمجھتا۔

ہوتا ہے نہاں ..... دریا مرے آگے

صحرا بہت وسیع اور دشوار گزار ہوتا ہے لیکن میری صحرا نوردی کے آگے وہ گرد میں چھپ جاتا ہے۔ گویا شاعر کہتا ہے کہ صحرا میرے لئے کوئی وحشت ناک شئے نہیں ہے۔ وہ تو میری وحشت کے آگے گرد ہے، دھول ہے۔ دریا کا جبیں خاک پہ گھسنا سامنے کی چیز ہے۔ دریا کے کنارے پر صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کی موجیں زمیں پر سر پٹختی ہیں۔ شاعر کہنا چاہتا ہے کہ اس کے ارادوں کی راہ میں نہ صحرا حائل ہوسکتا ہے اور نہ ہی دریا۔ یہاں شاعر اپنی ذات کے حوالے سے دنیاوی مشکلات پہ انسانی حوصلے کی سبقت اور برتری کی بات کر رہا ہے۔

مت پوچھ کہ کیا حال ..... تیرا مرے آگے

اے میرے محبوب مجھ سے مت پوچھ کہ تیرے بغیر میری کیا حالت ہوتی ہے۔ میں تیری جدائی میں کس قدر بے چین اور مضطرب رہتا ہوں۔ شاعر کی خواہش یہی ہے کہ اس کا محبوب جدائی میں اس کی کیفیت کی بجائے ملنے پر اپنی حالت پر توجہ مرکوز رکھے۔ یہاں یہ سمجھنا مشکل ہے کہ ملنے پر شاعر کا محبوب کس حالت میں ہے۔ کیا وہ شاعر سے حجاب کر رہا ہے، یا ناراض ہے یا کوئی اور کیفیت ہے۔ یہی کہا جاسکتا ہے کہ شاعر کی خواہش ہے کہ وہ جس طرح اپنی محبوب کی جدائی میں بے چین و بے قرار رہتا ہے اس کا محبوب ملاقات پر اس کی اس حالت کو محسوس کرے اور اس کا صلہ دے۔

سچ کہتے ہو..... سیما مرے آگے

شاعر اپنے محبوب کے آگے اعتراف کرتا ہے کہ وہ خود بین اور خود آرا ہے۔ 'نہ کیوں ہو' کہہ کر وہ گویا کہتا ہے کہ یہ میرا حق ہے۔ اور یہ حق اس لئے ہے کہ اس کے آگے اس کا محبوب ایک 'بت آئینہ سیما' کی مانند بیٹھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے آئینے کے آگے انسان خود کو دیکھے گا اور سنوارے گا ہی۔ یعنی یہ کہ شاعر کی اس کیفیت کا ذمہ دار بھی اس کا محبوب ہی ہے۔

پھر دیکھئے انداز ..... صہبا مرے آگے

غالب کی شراب نوشی مشہور رہی ہے اور غالب نے اسے کبھی چھپایا نہیں ۔ اس شعر میں وہ اس کا اعتراف کررہے ہیں کہ اگر ان کے آگے پیمانہ وصہبا یعنی شراب کا جام اور شراب رکھ دی جائے تو ان کی طبیعت شگفتہ ہو جاتی ہے اور ان کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں ۔ یہاں اگر ہم شراب اور جام کی جگہ فکر اور الفاظ کے معنی لیں تو اس شعر کا مفہوم بہت اعلی برآمد ہوتا ہے ۔ یعنی شراب اگر فکر ہو اور الفاظ پیمانے ہوں تو پھر میری گل افشانی گفتار عروج پر ہوتی ہے ۔

نفرت کا گماں ..... ان کا مرے آگے

جب کوئی شخص میرے سامنے تیرا نام لیتا ہے تو مجھے اس پر رشک ہوتا ہے ۔ اگر چہ کہ کوئی دوسرا محبوب کا نام لے تو مجھے سخت ناگوار گزرتا ہے ۔ لیکن مجھے مشکل یہ آپڑی ہے کہ میں اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میرے سامنے محبوب کا نام بھی نہ لے ۔ کیونکہ ایسا کرنے سے سننے والے کو یہ غلط فہمی بھی ہوسکتی ہے کہ مجھے اپنے محبوب کے نام سے نفرت ہے ۔ لہذا میں ایسے رشک سے توبہ کرتا ہوں جس سے اپنے ہی محبوب سے نفرت کا گمان پیدا ہو ۔

ایماں مجھے روکے ..... کلیسا مرے آگے

کلیسا اور کعبہ کے حوالے سے غالب اس شعر میں دنیا میں خیر وشر کے درمیان کشمکش کا نقشہ کھینچتے ہیں ۔ یہاں ایمان اور کعبہ خیر کی علامت ہیں تو کلیسا یعنی گرجا اور کفر شرک کی علامت ہیں ۔ انسان کی زندگی اسی طرح خیر وشر اور نیک و بد کے درمیان کشاکش سے عبارت ہے ۔ غالب یہاں اعلان کررہے ہیں کہ وہ صاحب ایمان ہیں اس لئے ان کا ایمان انہیں کلیسا یا کفر کی جانب بڑھنے سے روک رہا ہے ۔ لیکن شر کی بھی اپنی طاقت ہوتی ہے ۔ اسی لئے کفر بھی غالب کو اپنی جانب پوری طاقت سے کھینچ رہا ہے ۔ دوسرا مصرعہ طرز ادا کی خوبصورت مثال ہے ۔

عاشق ہوں ..... لیلا مرے آگے

فریب دینا تو معشوق کا کام ہے لیکن یہاں غالب اس کے عین برعکس مضمون بیان کررہے ہیں کہ وہ عاشق ہیں اور معشوق کو فریب دے رہے ہیں ۔ معشوق فریبی کی ترکیب یہاں بہت اہم ہے ۔ معشوق کو فریب دینے میں ہمارا شاعر اس قدر کامیاب ہے کہ اس کا معشوق یعنی لیلا اپنے مجنوں جیسے عاشق کو بھی برا بھلا کہتی ہے ۔ غالب کا کمال یہ ہے کہ وہ اردو غزل کے روایتی عاشق کی امیج کو الٹ کر رکھ دیتے ہیں ۔ ورنہ اس سے پہلے عاشق تو معشوق کے آگے روتا ، گڑگڑاتا اور ایڑیاں رگڑتا نظر آتا ہے لیکن غالب وہ عاشق ہے جو اپنے معشوق سے اٹھکھلیاں کرتا ہے اور معشوق کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ اس سے بہتر عاشق کوئی اور نہیں ہے ۔

خوش ہوتے ہیں ..... تمنا مرے آگے

شاعر ہجر کی رات یہ دعا مانگا کرتا تھا کہ یوں ہجر میں مرنا کوئی بات نہیں۔اس طرح ناکام مرنے سے بہتر ہے کہ ایک مرتبہ وصل نصیب ہو اور وصل کی اس گھڑی میں مر جائیں۔ہجر کے مارے عاشق کی یہی دعا ہوتی ہے کہ بس ایک بار وصل نصیب ہو اور میں خوشی سے مر جاؤں۔لیکن جب عاشق کو شب وصل نصیب ہوئی تو اس کی کیفیت شادی مرگ کی سی ہوگئی۔اسی لئے غالب کہتے ہیں انھیں محسوس ہوتا ہے کہ شب ہجر کے دوران کی گئی اس کی تمنا اس کے سامنے آ گئی ہے اس شعر میں ایک بہت ہی لطیف خیال کو بے حد دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

گو ہاتھ کو ..... مینا مرے آگے

بے شک غالب ایک بلانوش تھے اور انہوں نے اپنی اس بری عادت کو کبھی نہیں چھپایا۔ایک شرابی کی خواہش تو یہی ہوگی کہ ساغر و مینا ہمیشہ اس کے سامنے رہیں۔چاہے اس کی جسمانی کیفیت کیسی ہو۔ لیکن اگر یہ تصور کیا جائے کہ یہاں ساغر و مینا زندگی کے استعارے ہیں۔اس تناظر میں اس شعر کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ شاعر کو زندگی سے عشق ہے۔اور وہ باوجود ضعف کے زندگی کے سرور کو کشید کرنا چاہتا ہے۔اگر وہ ہاتھ سے پیالہ اٹھا نہیں سکتا تو کیا ہوا وہ اپنی آنکھوں سے تو اس سرور کا لطف لے سکتا ہے۔

ہم پیشہ و ہم مشرب ..... اچھا مرے آگے

اس شعر کے مخاطب کا اندازہ نہیں ہو پاتا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ یہ خود کلامی ہے۔لیکن اگر یہ خود کلامی بھی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ غالب کا مخاطب ان کا عہد اور ان کا زمانہ ہے۔غالب کو ہمیشہ یہی شکایت رہی کہ انہیں ان کے عہد میں سمجھا نہیں گیا۔اسی لیے وہ اعلان کرتے ہیں کہ غالب ان کا ہم پیشہ، ہم پیالہ، ہم نوالہ اور ہم راز ہے۔اسی لیے وہ چاہتے ہیں کوئی اسے برا نہ کہے وہ بھی خود غالب کے سامنے۔

4.7 آپ نے کیا سیکھا

اس اکائی میں آپ نے

- مرزا غالب کے حالات زندگی سے واقفیت حاصل کی۔
- مرزا غالب کے معاصرین کی معلومات حاصل کیں۔
- مرزا غالب کے فن کی خصوصیات سے واقف ہوئے۔
- مرزا غالب کے شعری اسلوب کے اہم پہلوؤں سے روشناس ہوئے۔

- مرزا غالب کی ایک غزل کی تشریح کی مدد سے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کیا۔

4.8 اپنا امتحان خود لیجیے

1 - غالب کے چند اہم معاصرین کے نام بتائیے۔

2 - مرزا غالب کے کلام کی تین اہم خصوصیات بتائیے۔

3 - مرزا غالب نے اپنے مقدمہ کے سلسلے میں کہاں کا سفر کیا تھا؟

4 - مرزا غالب نے کن کن اصناف میں شاعری کی؟

5 - مرزا غالب کے والدین اور ان کی اہلیہ کا کیا نام تھا؟

4.9 سوالات کے جوابات

1 - غالب کے اہم معاصرین میں (۱) محمد ابراہیم ذوق ، (۲) مومن خاں مومن ، (۳) مفتی صدرالدین آرزدہ، (۴) الطاف حسین حالی، (۵) میر مہدی مجروح۔

2 - مرزا غالب کے کلام کی اہم خصوصیات (۱) جدت ادا۔ (۲) نئے نئے مضامین۔ (۳) شوخی و ظرافت۔

3 - مرزا غالب نے اپنی جائیداد کے مقدمے کے لیے کلکتہ کا سفر کیا تھا۔

4 - غالب نے غزل کے علاوہ قصائد، قطعات اور رباعیات کہیں۔

5- مرزا غالب کے والد کا نام مرزا عبداللہ بیگ خاں اور والدہ کا نام عزت النساء بیگم اور اہلیہ کا نام امراؤ بیگم تھا۔

4.10 فرہنگ

لفظ	معنی
بازیچۂ اطفال	بچوں کے کھیل کا میدان
اورنگ	تخت
نہاں	چھپا ہوا
خودبیں	خود کو دیکھنے والا

خودآرا	خودکوسنوارنے والا
قلزم	سمندر
کلیسا	گرجا
شب ہجراں	جدائی کی رات
بادہ خوار	شرابی
رقیب	مقابل
دشت	جنگل
عشرت	خوشی
خوگر	عادی
شہود	دیکھنا
شاہد	دیکھنے والا
مشہود	جسے دیکھا جائے

4.11 کتب برائے مطالعہ

1۔	عبدالرحمٰن بجنوری	محاسن کلام غالب	انجمن اردو پریس اردو باغ، اورنگ آباد، 1925
2۔	الطاف حسین حالی	یادگار غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 1986
3۔	شمس الرحمٰن فاروقی	تفہیم غالب	غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، 1989
4۔	ڈاکٹر یوسف حسین خان	اردو غزل	اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد، دکن، 1948
5۔	ڈاکٹر اختر انصار	غزل اور درسِ غزل	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1959
6۔	ڈاکٹر اختر انصاری	غزل کی سرگزشت	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2000
7۔	حسرت موہانی	شرح دیوان غالب	فرید بک ڈپو، نئی دہلی، 2004